علامہ سلمان حسینی کا خلفشار

فتنۂ سبائیت کا نیا روپ

علامہ سلمان حسینی کے پھیلائے ہوئے فتنہ کا ازالہ

تالیف

عطاء الرحمٰن قاسمی

استاذ مدرسہ دار العلوم، شاہی جامع مسجد شہر میرٹھ

حسب الارشاد

حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم

صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور و مفتی شہر آگرہ

ناشر

مجمع الفقہ الحنفی

۹ / ۶۵۴، دار الافتاء محلہ مفتی سہارنپور

یوپی

حب معاویہؓ بھی ہو، حب علیؓ کے ساتھ
رکھا جو ان سے بغض تو ایماں بگڑ گیا

علامہ سلمان حسینی کا خلفشار

فتنۂ سبائیت کا نیا روپ

علامہ سلمان حسینی کے پھیلائے ہوئے فتنہ کا ازالہ

تالیف

عطاء الرحمٰن قاسمی

استاذ مدرسہ دارالعلوم، شاہی جامع مسجد شہر میرٹھ

حسب الارشاد

حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم

صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور

ومفتی شہر آگرہ

ناشر

مجمع الفقہ الحنفی

۹ / ۶۵۴، دارالافتاء محلہ مفتی سہارنپور

تفصیلات

نام کتاب : فتنہ سبائیت کا نیا روپ
(علامہ سلمان حسینی کے پھیلائے ہوئے فتنہ کا ازالہ)
تالیف : عطاء الرحمٰن قاسمی
(سابق مفتی واستاذ مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور)
استاذ مدرسہ دارالعلوم شاہی جامع مسجد، شہر میرٹھ
وناظم محکمہ قضاء محلّہ قاضی سہارنپور
زیر نگرانی : رئیس اشراف، فقیہ احناف، نمونۂ اسلاف
حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی دامت برکاتہم
صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور
ومفتی شہر آگرہ
صفحات: ایک سو چوالیس (۱۴۴)
سنہ طباعت: رجب المرجب ۱۴۴۲ھ مطابق مارچ ۲۰۲۱ء
رابطہ نمبر : 9997-178-786

ناشر

مجمع الفقہ الحنفی

۹/۶۵۴، دارالافتاء محلہ مفتی سہارنپور، یوپی

فہرست مضامین

تقریظ بابرکت

فقیہ العصر، ولیٔ کامل، عارف باللہ، مستجاب الدعوات، استاذ الاساتذہ
جناب حضرت اقدس مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم
مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، والصلوۃ و السلام علی سیدالأنبیاءِ والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین! أمابعد

صحابہ کرام کا گروہ وہ مقدس جماعت ہے جو قرآن وحدیث کے اولین مصداق اور چشم دید گواہ ہیں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے قرآن صحابہ کرام کو سکھایا، پھر انہوں نے تابعین کو پھر ہوتے ہوتے ہم تک پہونچا، اسی طرح آپ کے اقوال وافعال (یعنی احادیث) کو سب سے پہلے صحابہ کرام نے سنا اور دیکھا پھر یہ سلسلہ چلتے چلتے ہم تک پہونچا، دین اسلام کی اصل بنیاد قرآن وحدیث ہے پس اگر صحابہ کرام کو خائن، منافق، غلط کار، ناقابل اعتماد مانا جائے تو پھر ہمارا دین اسلام ہی غیر معتبر ہو جائے گا، یہ یہودیوں اور رافضیوں کی منصوبہ بندی ہے جو انہوں نے اسلام دشمنی میں اسلام کو مٹانے کے لئے اختیار کی ہے۔

یہ نظریہ اس درجہ خطرناک ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا تزکیہ کرنے میں تیئس سال جو محنت کی ہے اسے بھی کالعدم بنانے اور بیکار کرنے کے مترادف ہے۔

صحابہ کرام کی شان تو اس درجہ اعلیٰ و ارفع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کی مدح سرائی کی ہے، کہیں انہیں جنتی فرمایا، کہیں انہیں کامیاب فرمایا، کہیں انہیں رشد و ہدایت والا فرمایا، کہیں انہیں مغفرت کی خوش خبری سنائی، کہیں اس بات کی خوش خبری دی کہ وہ اللہ سے راضی اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام خوش خبریاں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً تمام صحابہ کرام کے بارے میں دی ہیں، اس میں مشاجرات صحابہ سے پہلے اور بعد والے صحابہ کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ہے۔

کسی صحابی پر کسی قسم کا عیب لگانا، انہیں نفس پرستی کا شکار کہنا، انہیں خائن کہنا، ان پر لعن طعن کرنا سب دشتم کرنا، یہ قرآنی آیات کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت ہے اور قرآن پاک کی صریح مخالفت ہے، ایسے لوگوں کو حضرت امام مالکؒ نے کافر فرمایا ہے، اور یوں فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کو مال فئی دینا جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں علامہ شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام، جلد ثانی۔

صحابہ کرام نے دین اسلام کی اشاعت میں اپنی جان و مال کو قربان کیا، اپنے بیوی بچوں کو قربان کیا، اپنے وطن مالوف کو قربان کیا، آج ہدایت کی جو روشنی پوری دنیا میں نظر آرہی ہے ان ہی حضرات کی محنتوں کا صدقہ ہے۔

آج حلال و حرام، حق و باطل، ظلم و انصاف، اخلاق و بداخلاقی، جائز و ناجائز کو جو ہم پہچانتے ہیں ان ہی کی جدو جہد اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "اکرموا أصحابی فانھم خیارکم"۔ (نسائی)

یعنی تم لوگ میرے صحابہ کا اکرام کرو کیوں کہ تم میں یہ سب سے پسندیدہ اور عمدہ لوگ ہیں، اور ترمذی شریف میں یہ بھی ہے کہ "فاذا رأیتم الذین یسبون أصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم" یعنی جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو صحابہ کرام کو برا بھلا کہتے ہوں تو ان پر اللہ کی لعنت بھیجو، وہ سب سے برے لوگ ہیں۔

بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں آیا ہے "لا تسبوا أصحابی فلو ان أحدکم انفق مثل أحد ذھبا ما بلغ مد أحدکم و لا نصیفہ" میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو کسی صحابی کے ایک یا آدھے مد کے برابر بھی ثواب حاصل نہیں کرسکتا۔

ایک حدیث میں آیا ہے " أصحابی أمنۃ لأمتی " (مسلم) یعنی میرے صحابہ میری امت کے لئے فتنہ وفساد سے امن کا ذریعہ ہیں، یہ ایسے مقدس لوگ ہیں کہ جس فوج میں اور مسلمانوں کی جس لشکر میں کوئی صحابی رسول ہوگا تو اس لشکر کو ان کی وجہ سے فتح یابی نصیب ہوگی۔ (بخاری مسلم)

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے "لا تمس النار مسلما رأنی و رأی من رأنی"۔ (ترمذی)

اس شخص کو جہنم کی آگ نہیں چھوسکتی جس نے میں مجھے دیکھا (یعنی صحابی کو) اور جس نے میرے صحابہ کو دیکھا (یعنی تابعین کو) اس طرح کی بیشمار حدیثیں ہیں جو بلا تفریق تمام صحابہ کرام کی منقبت ظاہر کررہی ہیں، جو لوگ صحابہ کرام پر عیب لگاتے ہیں ان پر سب و شتم کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ رافضیت کی عینک اتار کر مسلمانوں کی عینک لگا کر دیکھیں۔ قرآن وحدیث کی بغاوت اور

خلاف ورزی سے باز آئیں۔

عزیز گرامی مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی کو اللہ تعالی بہت بہت جزائے غیر عطا فرمائے، انہوں نے صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے والوں کے رد میں بہت عمدہ اور ٹھوس جوابات لکھے ہیں اور ہر جواب کو کتابوں کے حوالوں سے مدلل فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس رسالہ کو تمام مسلمانوں کے لئے نفع بخش بنائے اور مفتی صاحب موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

آمین ثم آمین

حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۱۱ر ربیع ثانی ۱۴۴۲ھ

دعائیہ کلمات

بحر العلوم، محدث کبیر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمد للہ رب العلمین، والصلوۃ و السلام علی سید الأنبیاءِ والمرسلین وعلی آلہ و صحبہ اجمعین! أما بعد

اس دنیا کے اندر ہر دور میں کچھ نہ کچھ فتنے سر ابھارتے رہتے ہیں، ان کا رد بھی معقول انداز سے علماء کرام کرتے رہتے ہیں۔ یہ کام تسلسل کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔

اہل علم حضرات نے ہر زمانہ میں باطل کو منہ توڑ جواب دے کر اپنی اس ذمہ داری کو بہ خوبی نبھایا ہے، اس لئے عوام کو ان فتنوں سے ہرگز متاثر نہیں ہونا چاہئے۔

جب کسی فتنے سے عوام الناس کو دینی نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو علماء کو چاہئے کہ اس فتنہ کی تفصیل و درست صورت حال اور اس کے متعلق تردیدی باتوں سے سادہ لوح عوام کو مطلع کر دیا کریں تا کہ وہ اس فتنہ کی مضرت سے بچ سکیں۔

چنانچہ اس احساس کے پیش نظر عزیزم مفتی عطاء الرحمن قاسمی سلمہ (استاذ مدرسہ دار العلوم شاہی جامع مسجد میرٹھ) نے یہ رسالہ مرتب کیا ہے جو در اصل ایک صاحب کے بیانات اور گفتگو کو سامنے رکھ کر تیار کئے گئے چند سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔

ماشاء اللہ جوابات عمدہ اور مدلل ہیں اسلوب بھی سادہ اور عام فہم ہے،

بندہ، عزیز موصوف سے ان کے زمانہ طالب علمی سے واقف ہے۔

میں نے اس رسالہ کو دیکھا ہے امید ہے کہ اس سے عوام وخواص دونوں کو فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف مؤلف کو علم نافع عطا فرمائے اور اس کتاب کے نفع کو عام فرمائے آمین۔ والسلام

نعمت اللہ غفرلہ
خادم التدریس دار العلوم دیوبند
۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ
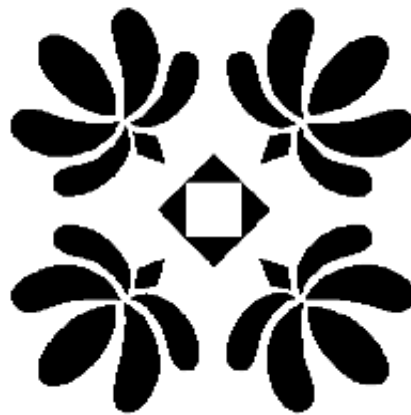
تقریظ

جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی دامت برکاتہم

مہتمم دارالمبلغین وصدر مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسمہٖ تعالیٰ حامداو مصلیاو مسلما

صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ پوری امت میں نبیوں کے بعد سب سے بلند وبالا ہے۔ اللہ پاک نے حضرات صحابہؓ کو اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ورفاقت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابیت کسبی چیز نہیں بلکہ ایک وہبی نعمت ہے، جس طرح نبوت ورسالت وہبی ہے ٹھیک اسی طرح صحابیت بھی وہبی ہے۔ صحابہ کرامؓ اصحابِ تقویٰ میں سے ہیں، ان کی للّٰہیت وتقویٰ مثالی ہے، وہ معصوم تو نہیں مگر ہزاروں خانہ ساز عصمتیں ان پر قربان ہوسکتی ہیں، ان کے تقویٰ کی شان یہ تھی کہ اگر ان سے کبھی کوئی قصور ہوتا تھا تو فوراً توبہ واستغفار کرکے اس کو معاف کرالیتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق مرحمت فرماتے تھے۔ اوران کی توبہ ان کی زندگی میں اللہ کے یہاں قبول ہوجاتی تھی اور قرآن مجید میں حق تعالیٰ اس کا اعلان بھی فرمادیتے تھے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ خصوصیت صرف حضرات صحابہ کرامؓ کی ہے جس سے ان کی شانِ عالی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کے مقام کا اندازہ احادیث مبارکہ کے ذخیرہ سے خوب ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر کسی صحابی نے بھی کسی صحابی کی کوئی شکایت کی یا ان کی کسی فروگذاشت پر ان سے ناراضگی کا اظہار کیا تو آپؐ کو ناگوار ہوا اور فرمایا: اترکوا لی أصحابی (میرے صحابہ کو میری خاطر چھوڑ دو) بلا کسی استثنا کے سارے صحابہؓ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کے امتیازی تمغہ سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کے سلسلے میں لب کشائی انتہائی مذموم بلا ہے اور اس کی نحوست کی وجہ سے ایسا شخص جو ان کی مذمت کرتا ہے یا ان کے بغض کے مرض میں مبتلا ہے وہ توبہ کی توفیق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ پر جرأت کرنے والوں کے خلاف امت مسلمہ ہمیشہ کھڑی رہی ہے اور ان کا دفاع کیا ہے، جب بھی اس طرح کی کوئی تقریر وتحریر یا تحریک سامنے آئی ہے تو امت نے اپنا فرض ادا کیا ہے، فرض شناس علمائے کرام اور مصلحین امت نے اس شر سے امت کو بچانے کی پوری کوشش کی ہے اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ گرامی قدر مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب نے اس جدوجہد میں حصہ لیتے ہوئے ''فتنۂ سبائیت کا نیا روپ'' پیش کر دیا ہے۔ موصوف نے حضرات صحابہ کرامؓ کی شان میں تنقیص وگستاخی کرنے والوں کا مدلل رد فرمایا ہے۔ حضرات علمائے کرام نے اس کتاب کے سلسلہ میں اپنے اعتماد کا اظہار

کیا ہے جو کتاب کی معنویت اور افادیت کے لئے کافی ہے، راقم الحروف بھی اس کتاب کو عوام وخواص کے لئے انتہائی مفید تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے اس کو مقبول فرمائے۔ اور مرتب موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

۱۹ / جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ
مطابق یکم فروری ۲۰۲۱ء

(مولانا) عبدالعلیم فاروقی
مہتمم دارالمبلغین۔ لکھنؤ
وصدر مجلس تحفظ ناموس صحابہؓ۔ لکھنؤ
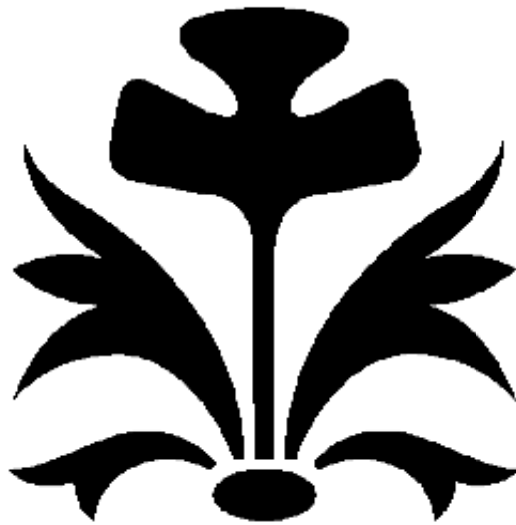
تقریظ

حضرت مولانا محمد خالد سعید صاحب دامت برکاتہم
استاذ حدیث وادب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین اسلام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے واسطہ سے ہی امت تک پہونچا ہے، دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے انہوں نے جو عظیم قربانیاں اور کاوشیں پیش کی ہیں اس کی بنا پر امت کا ہر فرد ان کا ممنون اور احسان مند رہے گا۔ اسی وجہ سے تمام صحابہ کرامؓ ہم سب مسلمانوں کے لئے قابل تعظیم وتکریم ہیں۔

اسلام کے خلاف ایک منظم سازش کے تحت دشمنان اسلام نے صحابہ کرامؓ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا تاکہ صحابہ کرامؓ سے عام مسلمانوں کا اعتماد اٹھ جائے اور اس طرح ان کے واسطہ سے پہونچنے والا دین بھی عام مسلمانوں کی نظر میں مشکوک اور ناقابل اعتبار بن کر رہ جائے۔

دشمنان اسلام کی طرف سے اس طرح کی سازشوں کا پیش آنا قابل تعجب نہیں، مگر افسوس ان جدت پسند مسلم اہل زبان وقلم پر ہے جو ان سازشوں کا شکار ہوکر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر انہیں کے نقشِ قدم پر چل پڑتے ہیں اور صحابہ کرامؓ پر زبان طعن دراز کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ایسے اعتراضات کا بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی زید مجدہ

نے مفصل ومدلل رد کیا ہے۔

مفتی صاحب موصوف پڑھنے، لکھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔اس وقت تدریس،فتویٰ نویسی اور قضاء وغیرہ کے شعبوں میں گوناگوں علمی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں،آپ ماشاء اللہ حق بات کو بلا خوف لومۃ لائم کہنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ موصوف کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے اورآپ کی اس خدمت کواور دیگر علمی ودینی خدمات کوقبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائے۔(آمین)

محمد خالد سعید مبارک پوری
جامعہ مظاہر علوم،سہارنپور
۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے بارے میں جو شخص مندرجہ ذیل افکار ونظریات کا حامل ہو اور بانگ دہل اپنی تحریر وتقریر میں اس کا اظہار وتبلیغ کرتا ہو۔

(۱) مشاجرات صحابہ پر کلام کرنے والے اور عوام وخواص کے سامنے صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہنے والے شخص کا کیا حکم ہے؟

کیا ہم اسے مسلمان اور عالم دین کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ کسی مدرسہ کا فارغ ہو۔

(۲) اس شخص نے متعدد بار صحابی رسول وکاتب وحی، خال المسلمین سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ وناز یبا کلمات کہے نیز وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خاطی، طاغی اور باغی قرار دیتا ہے (نعوذ باللہ) ہمیشہ معاویہ سے خطاب کرتا ہے (بغیر ترضی کے) تو وہ شخص شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟

ثبوت کے طور پر یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے ایک ویڈیو میں کہا کہ ”آل حسن شرمندہ ہوں گے اگر وہ یزید یا اس شخص کی طرف ادنیٰ جھکاؤ رکھیں گے، جس کے نطفے سے یزید پیدا ہوا ہے۔“

(ایسی زبان استعمال کرنے والے شخص کو شریعت کیسا شخص قرار دیتی ہے)

اسی طرح ایک ویڈیو میں وہ شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خلافت راشدہ کے بعد جبر وسرکشی اور ظلم والی دہشت گردانہ حکومت ہوگی یزید کی حکومت جبر وعتو کی تھی، معاویہ کی جو حکومت تھی وہ بنص حدیث نبوی ملک عضوض تھی (ایسا کہنے والے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟)

(۳) اس شخص کا الزام ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے احادیث کے سلسلہ میں خیانت سے کام لیا اور انہوں نے ذخیرہ حدیث کا آدھا حصہ گول کر دیا (نعوذ باللہ) نیز وہ درباری مولوی تھے۔

(ایسا کہنے والے کے حق میں شریعت کیا حکم لگاتی ہے)

(۴) اس شخص کے شائع کردہ کتابچہ میں اس کی جانب سے ایسے سوالات قائم کئے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کا عندیہ دیا تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم کاغذ منگوا کر کچھ وصیت کرنی چاہی تھی لیکن بعض صحابہ نے منع کر دیا تھا بلکہ وہاں جھگڑا کھڑا کر دیا گیا تھا۔

اس طرح لشکر اسامہ میں اکابر صحابہ (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید سے جانے کے لئے کہا تھا وغیرہ بے شمار سوالات ہیں، ان سوالات کے کرنے کا کیا مطلب سمجھا جائے اور ایسے شخص کے بارے میں کیا نظریہ قائم کیا جائے (رسالہ منسلک ہے)

(۵) کیا حدیث اللہ اللہ فی اصحابی الخ موضوع ہے جیسا کہ شخص مذکور کا دعویٰ ہے اس حدیث کا درجہ متعین فرماتے ہوئے اس کو کہنے والے شخص کا شرعی حکم بھی بتلائیں۔

(۶) کیا شیعہ واقعتاً تحریف قرآن کے قائل نہیں جیسا کہ شخص مذکور کا دعویٰ ہے۔

(۷) ان عمارا تقتله الفئة الباغية کیا اس حدیث سے

حضرت معاویہؓ کا قاتل اور باغی ہونا (نعوذ باللہ) ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ شخص مذکور کا دعویٰ ہے کہ حضرت معاویہ کے لوگوں نے ہی حضرت عمار کا قتل کیا تھا جس پر دلیل یہ حدیث ہے۔

(۸) کیا حدیث اصحابی کالنجوم محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں جیسا کہ شخص مذکور کا کہنا ہے۔

(۹) کیا قرآن پاک کی موجودہ ترتیب درست نہیں جیسا کہ اس شخص کا کہنا ہے کیا قرآن کے موجودہ پاروں کی ترتیب کسی مکتب کے ملا نے دی تھی۔

(۱۰) کیا حضرت عثمانؓ دوسروں کے دباؤ میں فیصلے لیتے تھے جیسا کہ شخص مذکور کا ماننا ہے اور اس قسم کا اعتقاد رکھنے والے شخص کے سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے ؟

(۱۱) کیا آن لائن نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ جس کی صورت یہ ہے کہ مسجد کے پاس پڑوس کے لوگ آن لائن (موبائل پر انٹرنیٹ کی موجودگی کے ساتھ بذریعہ اپلی کیشن) کسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ایسا کہنے اور اس کی دعوت دینے والے شخص کے بارے میں کیا حکم لگے گا۔ کیا اس کا یہ عمل تحریف فی الدین شمار کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں تشفی بخش جواب دے کر شاکر و ممنون فرمائیں۔ فقط

احمد عمیس ابراہیم

ماڈل ہاؤس لکھنؤ (یوپی)

۲۵ رستمبر ۲۰۲۰ء

سوال (۱)

مشاجرات صحابہ پر کلام کرنے والے اور عوام وخواص کے سامنے صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہنے والے شخص کا کیا حکم ہے؟
کیا ہم اسے مسلمان اور عالم دین کہہ سکتے ہیں اگر چہ وہ کسی مدرسہ کا فارغ ہو۔

جواب (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

الجواب بعون اللہ الملک الوہاب

حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار اولین شاگرد، آسمانِ ہدایت کے چمکتے ستارے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت وفیض یافتہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے اور دلارے، علومِ نبوی کے محافظ، امین اور روشن منارے، جن کا نام زبان پر آتے ہی ایک سچے مسلمان کے دل ودماغ ان کی عظمت ومحبت سے بھر جاتے ہیں، ایمان میں اضافہ محسوس ہوتا ہے، اور ان کی قسمت پر رشک آنے لگتا ہے۔

چشمِ فلک نے آج تک ایسی بابرکت، برگزیدہ، مقدس اور فرشتہ صفت جماعت نہیں دیکھی جن کی عدالت پر تمام امت کا اجماع ہے، سوائے زندیق اور

شقی ازلی کے کوئی دوسرا حضرات صحابہ کرام کے بارے میں بدکلامی، بدزبانی وبدگمانی نہیں کرسکتا۔

بہ لحاظ فرق مراتب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارے تمام اہل حق، اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ زمین وآسمان کی نگاہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ انسان نہیں دیکھے۔

حق وصداقت کے اس مقدس قافلہ کا ہر فرد اتنا بلند کردار اور نفسانیت سے اس قدر دور تھا کہ انسایت کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے اور اگر کسی سے کبھی کوئی لغزش ہوئی بھی ہے تو اللہ تعالی نے اسے معاف فرما کر ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے۔

حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کی اس مقدس جماعت کے ایمان وعقیدہ، فکر وعمل، تقویٰ وطہارت، عدالت ودیانت، اور صدق وامانت کی گواہی دیتے ہوئے صاف لفظوں میں ارشاد فرمادیا ہے:

”ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون“

(یقیناً اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا ہے اور اس کو تمہارے قلوب میں سجادیا ہے اور کفر، فسق اور عصیان کو تمہارے لئے ناگوار بنادیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں)

اور ارشاد ہے: اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقوی کے لئے آزمالیا ہے۔
ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت ہے)

یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ فضیلتیں اور خدائی وعدے صرف سابقین اولین اور مشاہیر صحابہ کے لئے ہیں، آخر آخر میں اسلام لانے والے اور مختصر مدت کا شرف صحبت حاصل کرنے والے ان فضائل کے مستحق اور ان وعدوں کے مخاطب نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے شکوک وشبہات کو دور کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی۔

(فتح مکہ سے پہلے اسلام لاکر اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جنھوں نے یہ قربانیاں فتح مکہ کے بعد پیش کی ہیں، فتح مکہ سے پہلے کے لوگوں کا مرتبہ بہر حال بڑھا ہوا ہے، مگر اللہ تعالی نے جنت کا وعدہ دونوں ہی سے کر رکھا ہے)

پھر جن لوگوں سے اللہ نے حسنی یعنی جنت کا وعدہ کر لیا ہے ان کی مغفرت ونجات یقینی ہے حتی کہ وہ سزا بھگتنے کے لئے بھی جہنم میں نہیں جائیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون۔

(بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسنی کا وعدہ ہو چکا ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے)

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

انہی نصوص کی بناء پر علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ جنتی ہیں:

فثبت أن الجميع من اهل الجنة لانهم المخاطبون بالآيات السابقة وقال الصحابة كلهم من أهل الجنة۔ (فتح المغیث ج ۴ ص ۴۷)

صدیوں سے ہمارا یہ عقیدہ بالتواتر مسلم اور جزء ایمان ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل وثقہ ہیں۔

امام خطیب بغدادیؒ نے الکفایہ فی علم الروایۃ میں باب قائم کیا ہے باب ماجاء في تعديل الله ورسوله للصحابة اس کے تحت متعدد قرآنی آیات اور احادیث رسول سے عدالت صحابہ کو ثابت کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں خطیب بغدادیؒ کی مذکورہ بحث بیان فرمائی ہے۔

صحیح ابن حبان میں بھی عدالت صحابہؓ کا مستقل عنوان ہے:

ذكر الخبر الدال على ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كلهم ثقات عدول

الفقہ الاکبر میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہم ہر صحابی کا تذکرہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں۔

قال الامام ابو حنيفة رحمه الله ولا نذكر احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الا بخير (الفقہ الاکبر ص ۹ ، دائرۃ المعارف حیدرآباد)

امام طحاویؒ نے العقیدۃ الطحاویۃ (جو کہ اصول دین کی نہایت مستند کتاب ہے، اس) میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کا تفصیلی ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

ہم تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، کسی کی محبت میں کمی

نہیں کرتے نہ کسی سے اظہار برأت کرتے ہیں، ہاں جو ان سے بغض رکھتا ہے یا خیر کے علاوہ کے ساتھ ان کا ذکر کرتا ہے تو ہم اس سے بغض رکھتے ہیں، ہم صحابہ کا تذکرہ خیر ہی کے ساتھ کرتے ہیں، ان کی محبت دین وایمان اور احسان کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی کی علامت ہے۔

قال الطحاوی ونحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منھم ولا نتبرأ من احد منھم ونبغض من یبغضھم وبغیر الخیر یذکرھم ولا نذکر ھم الا بخیر و حبھم دین وایمان و احسان وبغضھم کفر ونفاق وطغیان۔ (العقیدہ الطحاویہ ص ۲۹ /دار ابن حزم بیروت)

علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کی جائے اس طرح کہ ان سب کو عادل مانا جائے اور ان پر کسی قسم کے طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے اور ان کی مدح وثنا کی جائے، "**قال ابن الھمام رحمہ اللہ واعتقاد اھل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ والثناء علیھم**"

(المسامرۃ فی علم الکلام ص ۱۶۸، الاصل الثامن، المطبعۃ المحمودیۃ التجاریۃ، مصر)

ابن امیر حاج نے التقریر والتحبیر میں علامہ تاج الدین سبکیؒ کے حوالہ سے اس سلسلہ میں نہایت عمدہ بحث ذکر کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام کی عدالت کا بلاتردد یقین کرتے ہیں صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع کرنے والا شخص گمراہی اور کھلے ہوئے خسارے میں ہے اگر کوئی شخص آج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نشانہ

بنا کر دریدہ دہنی کا مظاہرہ اور ہرزہ سرائی کی جرأت کرتا ہے تو ایسے بد باطن شخص کی طرف ہرگز کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ ہم ان کی عدالت ثابت کریں اس لئے کہ خود کائنات کے پیدا کرنے والے نے اور اس کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی ہے۔ ان کے درمیان جو اختلافی باتیں پیش آئی ہیں ان کو ہم اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرتے ہوئے اپنی زبانوں کو بند رکھنے کے پابند ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جو ان اختلافی باتوں کو کریدتا ہے وہ کھلی گمراہی کا شکار ہے اس کے باطن میں گندگی بھری ہوئی ہے۔

وقال ابن امیر حاج : وقال السبکیؒ والقول الفصل انا نقطع بعدالتهم من غیر التفات الی هذیان الهاذین وزیغ المبطلین وقد سلف اکتفاؤ نافی العدالة بتزکیة الواحد منا فکیف بمن زکاهم علام الغیوب الذی لا یعزب عن علمه مثقال ذرة فی الارض ولا فی السماء فی غیر آیة وافضل خلق الله الذی عصمه الله عن الخطاء فی الحرکات والسکنات محمد صلی الله علیه وسلم فی غیر حدیث و نحن نسلم امرهم فیما جری بینهم الی ربهم جلا وعلا ونبراء الی الملک سبحانه ممن یطعن فیهم و نعتقد ان الطاعن علی ضلال مهین و خسران مبین۔ والکل عدول رضی الله عنهم فهم نقلة هذا الدین وحملته الذین بأسیا فهم ظهر و بالسنتهم انتشر ولو تلو ناالآی وقصصنا الاحادیث فی تفضیلهم لطال الخطاب فهذه کلمات من اعتقد خلا فها کان علی زلل و بدعة فلیضمر ذوالدین هذه

الکلمات عقدا ثم لیکف عما جری بینھم فتلک دماء طھر اللہ منھا ایدینا فلانلوث بھا السنتنا۔ انتھی۔

(التقریر والتحبیر ۲/ ۲۶۰۔ مسئلۃ عدالۃ الصحابۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے اصول عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ کے معاملہ میں صاف رکھتے ہیں۔

قال ابن تیمیۃؒ خلاصۃ اھل السنۃ فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن اصول اھل السنۃ والجماعۃ سلامۃ قلوبھم والسنتھم لأصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(العقیدۃ الواسطیۃ ۱/ ۱۱۵/ الباب الخامس، الفصل الثانی، اضواء السلف، ریاض)

امام غزالیؒ نے المستصفیٰ میں اور امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں جمہور اہل حق کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے۔ نیز ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں پیش آنے والے اختلافات سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

قال الامام الغزالیؒ والذی علیہ سلف الامۃ و جماھیر الخلف ان عدالتھم معلومۃ بتعدیل اللہ عزوجل ایاھم و ثنائہ علیھم فی کتابہ فھو معتقدنا فیھم الا ان یثبت بطریق قاطع ارتکاب واحد لفسق مع علمہ بہ، وذلک مما لا یثبت فلا حاجۃ لھم الی التعدیل قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس و قال تعالی و کذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس، وھو خطاب مع الموجودین فی ذلک العصر، وقال تعالی لقد

رضی الله عن المؤمنين اذ يبايعونک تحت الشجرة وقال عزوجل والسابقون الاولون وقد ذكر الله تعالى المهاجرين والأنصار في عدة مواضع وأحسن الثناء عليهم و قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير الناس قرني ثم الذين يلونهم وقال صلى الله عليه وسلم لو انفق احدكم ملء الأرض ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه، وقال صلى الله عليه وسلم ان الله اختار لي أصحابا وأصهارا وأنصاراً فأي تعديل اصح من تعديل علام الغيوب سبحانه و تعديل رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف ولو لم يرد الثناء لكان فيما اشتهر و تواتر من حالهم في الهجرة والجهاد وبذل المهج والاموال وقتل الآباء والاهل في موالاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ونصرته كفاية في القطع بعد التهم

(المستصفی ۱/۱۳۰ الفصل الرابع فی عدالۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور صحبت یافتہ ہیں آپ کی مصاحبت سے ان کا قلب منور اور باطن بالکل صاف ہو چکا تھا اس لئے انسان کی سعادت مندی اس میں ہے کہ ان کی شان میں گستاخی کر کے اپنی آخرت برباد نہ کرے جو لوگ اپنی حماقت و نادانی سے حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف کسی غلطی کی نسبت کر کے اپنی خفت عقل کو آشکارا کرتے ہیں وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس عبارت کو بغور پڑھ لیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

وہ رذائل (یعنی کمینہ صفتیں) جو شفقت و مہربانی کے منافی ہیں۔ اور برے

اخلاق میں شمار کئے جاتے ہیں مثلاً حسد، بغض اور کینہ یہ صفتیں ان حضرات کے بارے میں کیسے متصور ہوسکتی ہیں جو خیر البشر کی صحبت سے مشرف ہوئے، جو تمام امتوں میں سے بہتر امت کے بہترین افراد ہیں اور تمام مذہبوں کو منسوخ کرنے والے مذہب کے سابق ترین ہیں جن کا زمانہ تمام زمانوں میں بہترین تھا اور ان کا محبوب تمام نبیوں اور رسولوں سے فضیلت والا تھا، اگر خدانخواستہ یہ صحابہ ہی ان ردی صفتوں سے متصف ہوں جن سے متصف ہونے پر ایک ادنی اور معمولی آدمی کو بھی عار محسوس ہوتی ہو تو پھر کس طرح یہ امت میں بہتر شمار ہوں گے اور یہ امت کس اعتبار سے خیر الامم ہوگی اور ایمان لانے میں اول و سابق ہونا اور جان و مال کو سب سے بڑھ کر خرچ کرنا کیوں کر زیادت اور فضیلت کا باعث ہوگا اور خیر القرون کی کیا تاثیر ہوگی اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا کیا اثر ہوگا۔

جو لوگ اس امت کے اولیاء کی صحبت میں کچھ مدت رہتے ہیں وہ ان گندی صفتوں سے نجات پا جاتے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے حضرت افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اپنی عمریں صرف کی ہیں اور دین کی تائید اور مدد کیلئے انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو خرچ کیا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں کے حق میں اس قسم کی بری خصلتوں کا وہم کیا جائے اور اگر العیاذ باللہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جانب کسی غلط بات کو منسوب کیا جائے تو سوائے اس کے اس بات کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی پر حرف آئے اور آپ کی صحبت ایک ادنی امتی کی صحبت سے بھی ناقص سمجھی جائے۔

(مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۶۱، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۴ ص ۷۴ بتغیر یسیر)

●●

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ پر کلام کرنے والا اور عوام وخواص کے سامنے العیاذ باللہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والا شخص فاسق و فاجر اور انتہائی درجہ کا زندیق وبد باطن ہے وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اس کو عالم دین کہا جائے اگر چہ رسمی طور پر اس نے کسی مدرسہ میں کورس پورا کرلیا ہو۔ اس لئے کہ علم حقیقی کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد آدمی خشیت الٰہی سے متصف ہو جاتا ہے اور اگر حصول علم کے بعد آدمی صفت خشیت سے متصف نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کو علم کی ہوا بھی نہیں لگ سکی۔

اسلامی حکومت کے اندر ایسے شخص کے لئے سخت ترین سزا متعین ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنا حرام ہے، سخت ترین محرمات میں سے ہے، خواہ وہ صحابی فتنوں کے حالات سے دوچار ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

ان سب کا حکم ایک ہی ہے اس لئے کہ ان اختلافات میں سب کا مبنی اجتہاد اور تاویل تھا، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ سب صحابہ (یعنی کسی بھی صحابی کو برائی سے یاد کرنا) کبیرہ گناہوں میں سے ہے ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کے مرتکب کو سزا دی جائے گی، قتل نہیں کیا جائے گا البتہ بعض مالکیہ فرماتے ہیں کہ ایسے گستاخ کو سزا کے طور پر قتل کردیا جائے گا۔

اعلم ان سب الصحابة رضی اللہ عنهم حرام من فواحش المحرمات سواء من لابس الفتن منهم وغيره لانهم مجتهدون فی تلک الحروب متأولون قال القاضیؒ وسب احدهم من المعاصی الکبائر و مذهبنا ومذهب الجمهور أنه يعزر وقال بعض المالكية يقتل۔

(شرح مسلم باب تحریم سب الصحابہؓ)

سوال (۲)

اس شخص نے متعدد بار صحابی رسول و کاتب وحی، خال المسلمین سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ وناز یبا کلمات کہے نیز وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خاطی، طاغی اور باغی قرار دیتا ہے (نعوذ باللہ) ہمیشہ معاویہ سے خطاب کرتا ہے (بغیر ترضی کے) تو وہ شخص شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟

ثبوت کے طور پر یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے ایک ویڈیو میں کہا کہ "آل حسن شرمندہ ہوں گے اگر وہ یزید یا اس شخص کی طرف ادنیٰ جھکاؤ رکھیں گے، جس کے نطفے سے یزید پیدا ہوا ہے۔"

(ایسی زبان استعمال کرنے والے شخص کو شریعت کیسا شخص قرار دیتی ہے)

اسی طرح ایک ویڈیو میں وہ شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خلافت راشدہ کے بعد جبر و سرکشی اور ظلم والی دہشت گردانہ حکومت ہوگی یزید کی حکومت جبر وعتو کی تھی، معاویہ کی جو حکومت تھی وہ بنص حدیث نبوی ملک عضوض تھی (ایسا کہنے والے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟)

جواب (۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور عظیم الشان صحابی کی شان میں جس عالم نما شخص نے یہ یاوہ سرائی کی ہے اس نے جسارت بیجا کی ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ رفض اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہے اس لئے کہ کسی صحیح العقیدہ سنی کے ایسے

گندے خیالات ہرگز نہیں ہو سکتے۔ حضرت معاویہؓ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی، حبر امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کو فقہائے امت میں شمار کرتے تھے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہؓ کے متعلق فرمایا اصاب انه فقیه انہوں نے درست فرمایا وہ تو فقیہ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "فانه قد صحب النبی صلی اللہ علیه وسلم (البخاری) ان کو (یعنی حضرت معاویہؓ کو ان کی حالت پر) چھوڑ دو اس لئے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۳) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور پر فیض حاصل کیا ہے، صحبت نبوی میں رہ کر آپ نے ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی ذخیرہ محفوظ کیا کتب احادیث میں ایک سوتریسٹھ (۱۶۳) احادیث آپ سے مروی ہیں۔

اسلام لانے کے بعد غزوہ حنین میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے، کتابت وحی کی خدمات انجام دیں۔ حضرت ابوسفیانؓ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر درخواست کی معاویة تجعله کا تبا بین یدیک قال (رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم) نعم معاویہ کو آپ اپنا کاتب بنا لیجئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمالیا (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۰۴)

کتابت وحی کے ساتھ حضرت معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی خدمت بھی انجام دیتے تھے حج کے بعد عمرہ جعرانہ کے موقع پر حضرت معاویہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک بھی کاٹے۔ قال ابن عباس قال لی معاویة

اعلمت انی قصرت من راس النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند المروة بمشقص حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے مجھ سے فرمایا کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے قینچی سے مروہ پہاڑی کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال مبارک کاٹے تھے۔ (مسلم شریف ج ا ص ۴۰۸)

حضرت معاویہؓ کی ایک بڑی منقبت یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے خصوصی دعا فرمائی کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ہدایت دے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۵)

حضرت ابو ادریس خولانیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو حمص سے معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو گورنر بنا دیا تو لوگ کہنے لگے کہ عمر نے عمیر کو معزول کر دیا اس وقت حضرت عمیرؓ نے فرمایا تم معاویہ کا ذکر خیر کے سوا نہ کرو کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے اللھم اھدبہ اے اللہ معاویہ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت فرمایا۔'' **لما عزل عمر بن الخطاب عمیر بن سعد عن حمص ولی معاویة فقال عمیر لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھدبہ۔**

(ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۵)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی کہ اے اللہ معاویہ کو حساب کتاب سکھا دے اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔

اللھم علم معاویة الکتاب و الحساب وقه العذاب

(الاستیعاب ج ۳ ص ۳۸۱) مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۶)

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ معاویہ کو کتاب سکھلا دے اور شہروں میں اس کے لئے ٹھکانہ بنا دے اور اس کو عذاب سے بچا لے۔

اللھم علمه الکتاب و مکن له فی البلاد و قه العذاب

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی امارت وخلافت کی اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرمادی تھی اور اس کے لئے دعا بھی فرمائی تھی۔ حضرت معاویہؓ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وضو کا پانی لے گیا آپ نے پانی سے وضو فرمایا اور وضو کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا اے معاویہ اگر امارت تمہارے سپرد کی جائے اور تمہیں امیر بنا دیا جائے تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا۔ (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۳ ص ۴۱۳ مطبوعہ مصر)

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو دربار نبوی میں ایک خاص مقام حاصل تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور حضرت معاویہؓ کو بھی اپنے پیچھے بٹھایا، تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا اے معاویہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا سینہ (اور پیٹ) آپ کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

●●●

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی "اللهم املاه علما" اے اللہ اس کو علم سے بھر دے۔ (تاریخ الاسلام از حافظ ذہبی ج ۲ رص ۳۱۹)

حدیث پاک میں ہے حضرت ام حرامؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں پہلا لشکر جو بحری جنگ کرے گا انہوں نے اپنے لئے جنت کو واجب کرلیا اول جیش یغزون البحر قد اوجبوا

(بخاری شریف ص ۴۱۰ کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم)

دوسری روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرامؓ کے گھر تشریف لائے اور سو گئے، جب بیدار ہوئے تو مسکرائے، حضرت ام حرامؓ نے مسکرانے کی وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے جہازوں پر سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوئے ہوں حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرما دیجئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔ چنانچہ آپؐ نے دعا فرما دی کہ اے اللہ ان کو بھی ان میں کر دے۔

ناس من امتی یرکبون البحر الاخضر فی سبیل اللہ مثلهم مثل الملوک علی الاسرة فقالت یا رسول اللہ ادع اللہ ان یجعلنی منهم قال اللهم اجعلها منهم الخ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۰۳ باب غزوۃ المرأۃ فی البحر کتاب الجہاد)

یہ غزوہ جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی حضرت معاویہؓ کی قیادت میں ہوا۔ چنانچہ امام طبری لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے ۲۸ھ میں قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا اور قبرص کو فتح کر لیا اور اس غزوہ میں

آپ کے ساتھ حضرت عبادۃ بن الصامت کی بیوی زوجہ محترمہ حضرت ام حرام بھی تھیں جن کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی دعا فرمائی تھی، ان کے علاوہ حضرت مقداد حضرت ابوالدرداء اور حضرت شداد بن اوس جیسے بڑے صحابہ بھی اس میں شریک تھے۔ (طبری ج ۳ ص ۳۱۵)

ان خصوصیات کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دور خلافت میں انہیں ممتاز مقام دیا حضرت عمر بن الخطاب نے انہیں شام کا گورنر بنایا اور آخر حیات تک انہوں نے اس عہدے پر برقرار رکھا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمر اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر میں انتہائی محتاط تھے جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہوجاتا اس وقت تک اس کو کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے پھر جس کو گورنر بناتے اس کی پوری نگرانی فرماتے، اگر معیار مطلوب سے ذرہ برابر بھی کم درجہ کا پاتے فوراً معزول فرمادیتے۔ حضرت عمر کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک انہیں عہدے پر برقرار رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عمر کو حضرت معاویہ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان کا دور آیا وہ بھی آپ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے، انہوں نے بھی آپ کو شام کی گورنری کے عہدے پر نہ صرف باقی رکھا بلکہ آپ کے حسن انتظام اور تدبر کی وجہ سے آس پاس کے دوسرے علاقے اردن، حمص، قنسرین، اور فلسطین کے علاقے بھی آپ کے ماتحت گورنری میں دے دئے۔ غرض کہ آپ نے بڑی بڑی خدمات انجام دیں اور ایک وقت وہ بھی آیا

کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے آپ سے صلح کی اور آپ کو اس وقت کی وسیع مملکت کا خلیفہ تسلیم کر لیا اس طرح پوری امت آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تقریباً بیس سال آپ کی خلافت میں رہے اور آپ نے ان کی طرف سے سالانہ وظیفہ بھی قبول فرمایا سید اشباب اہل الجنۃ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا آپ کی خلافت کو قبول کرنا اور آپ کی خلافت میں رہنا حضرت معاویہؓ کی خلافت حقہ ہونے کی زبردست شہادت اور دلیل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۶۱ تا ۶۶)

ان تمام فضیلتوں کے باوجود انتہائی درجہ کا شقی اور بدبخت ہی ہوگا جو حضرت معاویہؓ کے بارے میں زبان درازی کرے گا۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل السنۃ والجماعۃ کی اہم کتابوں میں یہ عقیدہ بھی بطور خاص بیان کیا جاتا ہے کہ ہم تمام صحابہ کے لئے دعاء رحمت کرتے ہیں، ان کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہیں ان کی زلات ولغزشات سے صرف نظر اور کف لسان کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کا بھی تذکرہ خیر کے بغیر نہیں کرتے۔

نترحم علیهم و نذکر فضلهم و نکف عن زللهم ولا نذکر احداً منهم الا بالخیر۔ (الفقہ الاکبر ص ۴۳، العقیدۃ الطحاویہ ص ۸۱ طبقات الحنابلۃ ۲ ص ۲۱)

علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں صحابہ کی تعظیم کرنا ان پر طعن سے احتراز کرنا اور ان کی لغزشوں کی تاویل کرنا یا ان کو مناسب محمل پر محمول کرنا واجب ہے۔

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

یجب تعظیم الصحابة والکف عن مطاعنھم وحمل مایوجب بظاھرہ الطعن فیھم علی محامل والتاویلات۔ (مقدمہ الاصابۃ ج ۱ ص ۲۵)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کسی بھی صحابی کے بارے میں طعن و تشنیع کے ممنوع ہونے پر اہل السنۃ کا اتفاق ہے، صحابہؓ کے آپسی مناقشات کے سلسلہ میں بھی، حتیٰ کہ ان میں سے کسی کا حق پر ہونا سمجھ میں آجائے تب بھی دوسرے پر تبصرہ کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان حضرات کے مشاجرات اجتہاد کی بنیاد پر تھے اور اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما چکے ہیں بلکہ حدیث شریف میں تو مخطی کے لئے ایک اجر اور مصیب کے لئے دوہرے اجر کی بھی بات ثابت ہے۔

اتفق اھل السنة علی وجوب منع الطعن علی احد من الصحابة بسبب ماوقع لھم من ذلک ولو عرف المحق منھم لانھم لم یقاتلوا فی تلک الحروب الاعن اجتھاد وقد عفا اللہ تعالی عن المخطیٔ فی الاجتھاد بل ثبت انہ یؤجر اجراً واحداً وان المصیب یؤجر اجرین الخ
(فتح الباری کتاب الفتن باب اذا التقی المسلمان بسیفیھما)

علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں جہاں تک ممکن ہو مشاجرات صحابہ کے قصہ میں ہرگز مت پڑو اور اگر ایسا اتفاق پیش آجائے تو صحابہؓ کی طرف سے حسن ظن رکھتے ہوئے مناسب توجیہ و دلائل کے ساتھ ایسے واقعات کا تذکرہ کرو، کسی بھی صحابی کی تنقیص مت کرو اس لئے کہ اس موضوع کا تصیفہ کوئی عقیدے کا حصہ نہیں ہے اور نہ ہی علم کلام کا موضوع ہے اس موضوع کو چھیڑنا کسی دینی اور علمی نفع کے بجائے اکثر ایمان و یقین کے لئے مضر ہی ہوتا ہے۔ (مقدمہ التحقیق الاصابۃ ج ۱ ص ۲۵)

امام المورخین والمحدثین فخر المتاخرین علامہ شمس الدین الذہبیؒ اپنی بے نظیر کتاب سیر أعلام النبلاء میں فرماتے ہیں صحابہ کے آپس کے اختلافات اور قتال وغیرہ سے سکوت رکھنے کا مسئلہ طے شدہ ہے ہماری نظروں سے اس موضوع سے متعلق روایات روزانہ تاریخ وغیرہ کی کتابوں اور رسالوں میں گذرا کرتی ہیں مگر وہ زیادہ تر منقطع اور ضعیف ہوتی ہیں بلکہ موضوع تک ہوتی ہیں، یہ کتابیں ہمارے سامنے بھی ہیں دیگر علماء کے سامنے بھی ہیں، جو چاہے اٹھا کر دیکھ لے، اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ موضوع بند کر کے اور لپیٹ کر ہی رکھا جائے بلکہ اس کو اپنی گفتگو سے خارج ہی کر دیا جائے تاکہ قلوب میں صفائی رہے اور صحابہ سے محبت اور رضا کا جذبہ موج زن رہے۔

اور عوام سے اسی طرح نام نہاد عالموں سے اس طرح کے موضوعات کا اخفاء ہی متعین ہے صرف اسی عالم کے لئے رخصت ہے جو انصاف پسند ہو۔ نفسیاتی جذبات سے بالاتر ہو وہ بھی تنہائی میں مطالعہ کرے اور آخر میں تمام صحابہ کے لئے استغفار کا اہتمام کرے جیسا کہ اللہ تعالی نے ہمیں سکھایا ہے کہ ان کے بعد والے آ کر ان صحابہ کے بارے میں یہ کہا کریں گے۔

اے ہمارے رب مغفرت فرما دیجئے ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے اور نہ رکھئے ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ

تقرر الكف عن كثير مماشجر بين الصحابة و قتالهم رضى الله عنهم اجمعين وما زلل يمر بنا ذلك في الدواوين والكتب والاجزاء ولكن

اکثر ذلک منقطع وضعیف وبعضه کذب وهذا فیما بین أیدینا وبین علمائنا فینبغی طیه واخفاؤه بل اعدامه لتصفو القلوب وتتوفر علی حب الصحابة والترضی عنهم۔ وکتمان ذلک متعین عن العامة وآحاد العلماء وقد یرخص فی مطالعة ذلک خلوة للعالم المنصف العری من الهوی بشرط ان یستغفر لهم کما علمنا الله تعالی والذین جاؤوا من بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا۔ (سیر أعلام النبلاء ج ۱۰ ر ص ۹۲)

قرآن کریم کے اندر صحابہ کرامؓ کی تعریف کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :لیغیظ بھم الکفار امام مالکؒ آیت بالا کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں کسی بھی صحابی کی طرف سے معمولی غیظ اور کھوٹ ہوگا وہ اس آیت کا مصداق ہے یعنی اس کے اندر کفر کی بو پائی جاتی ہے اسی وجہ سے وہ صحابہؓ سے جلتا اور بدگمانی رکھتا ہے۔

مختلف احادیث میں سب صحابہ یعنی صحابہ کرامؓ پر تنقید وتبصرے کی ممانعت وارد ہوئی ہے چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانے لگنا جو ان سے محبت کرتا ہے تو وہ میری نسبت ہی کا خیال کرکے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے ہی بغض کا نتیجہ ہے۔ جو انہیں ایذاء پہونچائے اس نے گویا مجھے تکلیف پہونچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہونچائی تو اس نے یقیناً اللہ کو ناراض کیا اور جس نے اللہ کو

ناراض کیا تو قریب ہے کہ اللہ اس کی پکڑ فرمائیں۔

اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ۔ (ترمذی شریف رقم الحدیث ۳۸۶۲)

کسی عام مسلمان کو برا کہنے پر فسق کا حکم (کہنے والے پر) عائد ہوتا ہے تو جو شخص العیاذ باللہ کسی صحابی کی شان میں گستاخانہ و نازیبا کلمات کہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو تنقید کا نشانہ بنائے اس کا فسق کس درجہ خطرناک ہوگا یہ اندازہ کرنے کی بات ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابی رسول پر تنقید کر رہا ہے تو سمجھ لو اس کا دین مشکوک ہے۔

اذا رأیت رجلا یذکر احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسوء فاتھمہ علی الاسلام۔ (تاریخ دمشق ۵۹/۲۰۹)

آپ سے معلوم کیا گیا کہ اگر کوئی شخص حضرت معاویہؓ یا عمرو بن العاصؓ کی تنقیص کرتا ہے تو کیا اس کو رافضی کہا جائے گا۔ فرمایا حضرات صحابہ کرام کی تنقیص کی جرأت وہی شخص کر سکتا ہے جو بدباطن ہو کوئی بھی شخص کسی صحابی رسول سے اگر بغض رکھتا ہے تو یہ اس کے بدباطن ہونے کی علامت ہے

سئل الامام احمد عن رجل انتقص معاویة وعمرو بن العاص أیقال لہ رافضی قال انہ لم یجتری علیھما الا ولہ خبیئة سوء ما یبغض احد احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ولہ داخلة سوء۔

(تاریخ دمشق ۵۹/۲۰۱)

قاضی ابویعلی حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی صحابی رسول کو نشانہ بنا رہا ہے تو یقین کرلو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کچھ کہنا چاہتا ہے اور قبر شریف میں آپ کی ذات پاک کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔

واعلم انه من تناول احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه اراد محمدا صلى الله عليه وسلم وقد آذاه في قبره۔

(طبقات حنابلہ ج ۲ ص ۳۷)

حضرت امام نسائیؒ سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اسلام کی مثال اس گھر کی سی ہے جس کا ایک دروازہ ہو اور اسلام کا دروازہ صحابہ کرامؓ ہیں جو شخص صحابہ کو تکلیف پہونچاتا ہے وہ اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے جیسے کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ گھر کے اندر ہی داخل ہونا چاہتا ہے لہٰذا جو شخص معاویہؓ کو نشانۂ تنقید بنا رہا ہے تو اس کا اصل نشانہ صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔

قال ابن عساكر روى عن ابى عبد الرحمن النسائى انه سئل عن معاوية بن ابى سفيان صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انما الاسلام كدار لهاباب، فباب الاسلام الصحابة فمن آذى الصحابة انما اراد الاسلام كمن نقر الباب انما يريد دخول الباب فمن اراد معاوية فانما اراد الصحابة

(تاریخ دمشق ۷۱/۱۷۵)

امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح دروازے کا کنڈا ہلانے سے پورے دروازے میں حرکت ہوتی ہے اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ پر کوئی تبصرہ کرنے سے پوری جماعت صحابہ پر زد پڑتی ہے۔

قال ابن عساکر عن موسی بن ھارون یقول بلغنی عن بعض اھل العلم واظنہ وکیع انہ قال معاویۃ بمنزلۃ حلقۃ الباب من حرکہ اتھمناہ علی من فوقہ (تاریخ دمشق ۵۹/۲۱۰)

مشہور محدث خطیب بغدادیؒ امام ابوزرعہ رازیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کررہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ بے دین ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے، آپ کا لایا ہوا قرآن برحق، آپ کے لائے ہوئے دین اور کتاب وسنت کو ہم تک پہونچانے والے یہی صحابہ ہیں تو جو شخص صحابہ پر زبان طعن دراز کرتا ہے وہ ہمارے ان واسطوں اور گواہوں کو مجروح کرنا چاہتا ہے حالانکہ ایسا شخص خود مجروح اور زندیق ہے۔

اذا رایت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق و ذلک ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عندنا حق و القرآن حق انما ادی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولی وھم زنادقۃ۔ (الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۹)

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کا عدالت کے ذریعہ تزکیہ کرنا اوران پر کسی طرح کا طعن کرنے سے بچنا واجب ہے اور دیندار کے لئے زیبا ہے کہ صحابہ جس حال پر عہد نبوی میں تھے اسی حالت پر آخر تک ان کو باقی رہنے والا اعتقاد کرے۔

قال السید مرتضیٰ الزبیدی و اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ تزکیۃ

جمیع الصحابہ رضی اللہ عنہم وجوبا باثبات العدالۃ لکل منہم والکف عن الطعن فیہم والثناء علیہم کما اثنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ واثنی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم بعموم مہم وخصوصہم فی آی من القرآن . . . الی قولہ ومناقب الصحابۃ کثیرۃ وحقیق علی المتدین ان یستصحب لہم ما کانوا علیہ فی عہد رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (اتحاف السادۃ المتقین ۲/۲۲۲)

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں ہے بلکہ معرفت صحابہ تو علم حدیث کا ایک اہم جزء ہے جیسا کہ مقدمہ اصابہ میں حافظ ابن حجرؒ نے اور مقدمہ استیعاب میں حافظ ابن عبد البرؒ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام کے باہمی تفاضل و درجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلہ کو علماء امت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا ہے اور تمام کتب عقائد اسلامیہ میں اس کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے لکھا ہے، ایسا مسئلہ جو عقائد اسلامیہ سے متعلق ہو اور اسی مسئلہ کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہو، اس کے فیصلہ کے لئے بھی ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص اور اجماع امت جیسی شرعی حجت درکار ہیں اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصول تنقید پر رکھنا واجب ہے۔ اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا اصولی اور بنیادی غلطی ہے وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علماء اہل حدیث کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے جس میں صحیح وسقیم روایات جمع کر دینے کا عام

دستور ہے۔(مقام صحابہ ص ۳۵،۳۶ مولفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں" اور یہ سب باتیں جو روافض اور اہل بدعت صحابہ کرامؓ سے متعلق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ان کا کوئی اعتبار نہیں، فضول باتیں ہیں، ان میں سے اکثر باتیں باطل جھوٹ اور بالکل من گھڑت ہوتی ہیں، روافض کا شیوہ یہی ہے باطل خبروں کا روایت کرنا اور مستند صحاح و مسانید کی روایتوں کو رد کر دینا، مگر جس کی عقل ہی ٹھکانے نہ ہو اس سے کیا توقع رکھی جائے۔

فاما ما تنقله الرافضة واهل البدع فی کتبهم من ذلک فلا نعرج علیه ولا کرامة فا کثره باطل وکذب وافتراء فدأب الروافض روایة الاباطیل أوردما فی الصحاح والمسانید ومتی افاقة من به سکران

(سیر أعلام النبلاء ۱۰/ ۹۳)

چنانچہ بہ قول علامہ سبکیؒ سلامتی اور سعادت مندی کی بات بس یہی ہے کہ آدمی گذشتہ بزرگوں کے اختلاف میں پڑ کر ان کے درمیان حکم اور فیصل بننے کی ہرگز کوشش نہ کرے۔

لا یزال طالب العلم عندی نبیلا حتی یخوض فیما جری بین الماضین ویقضی بعضهم علی بعض۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۲/ ۲۷۸)

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ نے بہت نپی تلی بات ارشاد فرمائی ہے، فرماتے ہیں۔

ومن یکن یطعن فی معاویة
فذاک کلب من کلاب الهاویة

جو شخص حضرت معاویہؓ پر طعن کرتا ہے تو وہ ہاویہ (یعنی جہنم) کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔ (شمیم الریاض بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۶۸)

غرض اس تفصیل سے بخوبی واضح ہوگیا کہ حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخانہ و نازیبا کلمات کہنے والا شخص حدیث شریف کی صراحت کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کو سخت تکلیف پہونچانے والا ہے۔

بقول حضرت امام مالکؒ اس کے اندر کفر کی بو پائی جاتی ہے حضرت امام احمدؒ کی نظر میں اس کا دین مشکوک اور غیر معتبر ہے نیز یہ اس کے بد باطن ہونے کی علامت ہے۔ حضرت امام نسائیؒ کے بقول وہ شخص نعوذ باللہ مذہب اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور امام ابو زرعہؒ کے نزدیک انتہائی درجہ کا بد دین ہے اور علامہ شہاب الدین خفاجیؒ کی نظر میں ایسا شخص جہنم کا کتا ہے۔

رہی بات حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کو جبر و تشدد والی حکومت کہنے کی تو جو شخص حضرت معاویہؓ کی سلطنت کو جبر و سرکش اور ظلم والی حکومت کہتا ہے تو وہ سخت ناواقفیت کا شکار ہے۔

اس سلسلہ میں چند باتیں ذہن میں رکھنے کی ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ کہ اگر حضرت سفینہ والی اس حدیث شریف کو درست مان لیا جائے تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاویہؓ کا عہد حکومت کو سلطنت سے تعبیر کرنا موجب قبح ہرگز نہیں اس لئے کہ سلطنت کا ملنا بھی انعام

خداوندی ہے حضرت طالوت کو حق تعالیٰ شانہ نے بادشاہ بنایا اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ملوکت و بادشاہی عطا کی گئی، ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کو بھی اس انعام خداوند سے سرفراز فرمایا گیا۔

غرض کہ بادشاہت و سلطنت کا ملنا کسی قدح کا موجب ہرگز نہیں نہ ہی اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مذمت میں بیان فرمایا ہے بلکہ وہ ایک طرح سے پیش آنے والے حالات کی اطلاع اور پیشین گوئی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کی سند پر تنقید کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے چنانچہ قاضی ابوبکر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ **ھذا حدیث لایصح** (العواصم من القواصم ص ۲۰۱)

(۳) بعض علماء نے حدیث شریف میں وارد الفاظ ملک عاض اور ملک عضوض کے دوسرے ہی معنی اختیار کئے ہیں۔ ان کے بقول جس طرح عض یعض کے ایک معنی کاٹنے کے ہیں تو دوسرے معنی مضبوط اور مضبوطی سے کسی چیز کو تھامنے کے بھی ہیں اس لحاظ سے ملک عضوض کے دوسرے معنی مضبوط سلطنت کے بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ان معنی کا خیال کر کے حدیث شریف میں حضرت معاویہ کی سلطنت و بادشاہ کی تعریف کا پہلو مراد لینا زیادہ مناسب اور ان کے حال کے مطابق ہوگا ورنہ اگر مستشرقین اور حاسدین کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر یہ مان لیا جائے کہ حضرت علیؓ کی حیات اور ان کے دور خلافت تک تمام امور میں خیر ہی خیر غالب تھا اور حضرت معاویہؓ کے زمام حکومت سنبھالتے ہی وہ تمام امور شر اور جبر و تشدد سے تبدیل ہو گئے جو کہ عقل کے بھی خلاف ہے تو پھر

حدیث شریف ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم کا کوئی مطلب باقی نہیں رہ جاتا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ اگر ملک عاض اور ملک عضوض کو کاٹنے والی حکومت کے معنی میں ہی لیا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا مراد ہوگا، جیسا کہ یہ واقعات حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں بکثرت پیش آئے ان سے جبر و سرکشی اور ظلم والی حکومت مراد لینا سخت نادانی ہوگی۔

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے (اور فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کے تمام راوی ثقہ ہیں) اس حدیث شریف سے حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت واضح ہو جاتی ہے اس میں وضاحت کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ خلافت راشدہ ختم ہونے کے بعد جو حکومت آئے گی وہ بھی ملوکت اور رحمت ہوگی۔

اوّل ھذا الامر نبوۃ و رحمۃ ثم یکون خلافۃ و رحمۃ ثم یکون ملکا و رحمۃ ثم یکون امارۃ و رحمۃ ثم یتکادمون علیھا تکادم الحمیر۔

(تطہیر الجنان علی ہامش الصواعق المحرقۃ ص ۳۱)

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سفینہؓ سے جو روایت مروی ہے کہ حضرت معاویہؓ پہلے بادشاہ ہیں اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت صحیح نہ تھی اس لئے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان کی خلافت تو صحیح تھی لیکن اس پر ملوکت کی مشابہت غالب آ گئی تھی اس لئے کہ وہ

بہت سے معاملات میں خلفائے راشدین کے طریقوں سے قدرے مختلف تھی، چنانچہ خلافت کی بات اس لئے صحیح ہے کہ حضرت حسنؓ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد حضرت معاویہ کی خلافت حق اور صحیح تھی اور ملوکت کی بات اس لئے درست ہے کہ ان کے عہد حکومت میں کچھ ایسے امور واقع ہوئے جن کا مبنیٰ غلط اجتہاد تھا۔ جس کی بنیاد پر مجتہد گنہگار تو نہیں ہوتا لیکن اس کا رتبہ ان حضرات سے بہرحال گھٹ جاتا ہے جن کے اجتہادات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوں اور یہ حضرات خلفاء راشدین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۳۱)

علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ جو شرح عقائد کے مشہور محقق شارح ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اگرچہ خلفاء راشدین کے درجہ میں نہیں تھے لیکن ان کی برابری نہ کرسکنا ان کے لئے کسی قدح کا موجب نہیں۔

ولم یکن فی درجة الخلفاء الراشدین فی اداء حقوق الخلافة لکن عدم المساواة بھم لا یوجب قدحاً فیه۔

(النبراس علی شرح العقائد ص ۵۱۰)

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس سلسلہ میں بہت قیمتی بات ارشاد فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی بھی حضرت معاویہؓ سے بہتر نہیں ہوا اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہؓ کے زمانے میں رہے۔ ہاں اگر ان کے زمانے کا مقابلہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے کیا جائے تو فضیلت کا

فرق بہرحال ظاہر ہو جائے گا۔ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۵)

یہ فرق جو عقائد وکلام کے ان بزرگوں نے بیان فرمایا ہے جو تاریخی تدریج کے مطابق بھی ہے، اہل السنۃ کے عقائد کو بھی اس سے ٹھیس نہیں لگتی، تاریخ سے بھی ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ کے شایان شان بھی ہے۔

(شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ، حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۱۵۰)

اس موقع پر حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کی حیثیت کو مزید واضح کرنے کے لئے اور بیجا اعتراضات کے سبب ان کی شبیہ پر پڑنے والے گرد کو (قلوب واذہان سے) صاف کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا سراج الحق صاحبؒ مچھلی شہری کا یہ بیش قیمت اور حقیقت کشا مضمون بھی پڑھ لیا جائے۔

علماء نے (نبوت کے بعد) ملوکت و بادشاہی کی چار قسمیں کی ہیں جو معقول بھی ہیں اور ایک دوسرے سے خاصی ممتاز بھی۔

(۱) وہ ملوکت و بادشاہی جس کو نبی کے صحابی نے تعلیمات نبی کے مطابق ہی انجام دی ہو اور ہو بہو اور مو بمو اس کے مقاصد عالیہ کی تکمیل اس کے مرکز اور سجادے پر رہ کر کی ہو، بہ الفاظ دیگر یہ کہ نبی نے اسے مرکز میں رہنے کے ساتھ مقید بھی کر دیا ہو

(۲) وہ ملوکت و بادشاہی جسے نبی کے صحابی نے تعلیمات نبی کے مطابق ہی انجام دی ہو اور نبی ہی کے مقاصد عالیہ کی تکمیل کی ہو مگر مرکز سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ دربار خلافت لگایا ہو۔

(۳) وہ ملوکت و بادشاہی جو غیر صحابی یعنی کسی نیک نیت، متبع سنت، مخلص امتی کے ذریعہ ہوئی ہو۔

(۴) وہ ملوکت و بادشاہی جو کوئی نفس پرست خود غرض انسان کسی نبی کی تعلیمات کو یکسر فراموش کر کے بلکہ اس سے منحرف اور عذاب دوزخ سے بے پرواہ ہو کر انجام دے۔

علماء نے پہلی قسم کے لئے خلافت علی منہاج النبوۃ، خلافت برقدم نبوت، خلافت راشدہ خاصہ کی اصطلاحیں مقرر کی ہیں مگر حدیث میں اس کو خلافت نبوت اور بعض جگہ خلافت رحمت کہا ہے۔ اس کا نمونہ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافتیں ہیں اسی کے لئے حضورؐ نے مدینہ میں ہونے کی قید بھی لگا دی ہے۔ ان تینوں خلافتوں میں کیڑے نکالنے اور برا کہنے کی کوشش خالص زندقہ و بد دینی ہے کیوں کہ وہ معاذ اللہ نبوت ہی میں کیڑے نکالنے کے برابر ہے، اس قسم میں جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین حضرات کا نام متعین فرما دیا ہے اور بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ ایسے ارشادات رسول حد تواتر کو پہونچے ہوئے ہیں تو کیا حق ہے کسی کو کہ اس قسم میں کسی اور کا بھی اضافہ کرے۔ ان تینوں حضرات کا یہ اعزاز اسی لئے ہے کہ ان کے دربار خلافت اسی مسجد نبوی میں لگتے رہے جس کے ایک گوشہ میں خود حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوی ترین حیات برزخی کے ساتھ آرام فرما ہیں گویا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ تشریف رکھ کر اپنی اعلیٰ روحانیت کے برکات و تصرفات سے ان تینوں حضرات سے یکے بعد دیگرے اپنی نگرانی میں کام لے رہے تھے اور مناسب

ہدایات دے رہے تھے۔

دوسری قسم کے لئے اہل علم نے خلافت راشدہ مطلقہ، خلافت محضہ، ملوکت نبویہ، خلافت راشدہ کی اصطلاحیں مقرر کیں، مگر حدیث میں اس کو کہیں خلافت کے مقابل میں ملک اور کہیں خلافت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اس کا نمونہ حضرات سیدنا علی، معاویہ، حسن، ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی خلافتیں ہیں یہ خلافتیں راشدہ تو اس لئے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہیں اور تمام صحابہؓ خطاب قرآنی ھم الراشدون ، کا بالیقین مصداق ہیں مگر راشدہ مطلقہ ہیں، راشدۂ خاصہ نہیں اس لئے کہ مدینہ کی قید خاص سے محروم ہیں خلافت اس لئے کہ وہ صحابی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی دوسرے مقامات میں کر رہے ہیں اور ملک اس لئے کہ وہ ملوکت نبویہ کا نمونہ ہیں۔

تیسری قسم کے لئے اہل علم نے ملوکت عادلہ و ملوکت رحیمہ کی اصطلاحیں بنائیں اس لئے کہ احادیث میں ثم ملک ورحمۃ کا لفظ تھا اس کا نمونہ حضرات عمر بن عبدالعزیزؒ، سلطان شمس الدین التمشؒ، سلطان محمود گجراتیؒ، سلطان صلاح الدینؒ، سلطان ناصر الدینؒ، سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ اور بہت سے نیک متبع اسلامی بادشاہ تھے۔

اس قسم کے بادشاہوں کے زمانوں کو خلافت راشدہ میں شامل کرنا غیر صحابی کو صحابی کے برابر بنانا ہے۔

رہی چوتھی قسم تو وہ بدترین قسم کی بادشاہی وملوکت ہے بلکہ وہ سرے سے بادشاہی نہیں ہاں ننگ بادشاہی ہے رہزنی ہے، نفس پرستی ہے، دنیاداری ہے، خود

غرضی اور خود رائی ہے وہ شیطان کی پیروی اور کفار کی مشابہت ہے ان چاروں قسموں میں پہلی قسم کی ملوکت و بادشاہی نبوی بادشاہی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے اور دوسری قسم کی ملوکت و بادشاہی بھی نبوی بادشاہی کا دوسرا نمونہ ہے اور تیسری قسم کی ملوکت و بادشاہی زیادہ سے زیادہ اسلامی احکام کے مطابق ہے، ان تینوں میں قانون صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا چلتا ہے، اس لئے یہ تینوں ہی قسمیں ظل اللہ ہیں مخلوق پر خدا کا سایہ ہیں اس لئے کہ ان کے سربراہ کار (علی اختلاف مراتبہم) صحابی یا دین دار امتی احکام شریعہ ہی کا اجراء کرتا اور خدا کی نافرمانی اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔

پہلی دو قسموں کے سربراہ کاروں سے بشریت کی بناء پر تو سہو و خطا ہو سکتی ہے مگر ان سے عمداً خلاف شرع کام ہونا اس حفاظت الٰہی سے مستبعد اور تقریباً ناممکن ہے جو اولیاء امت کو حاصل رہتی ہے۔

ہاں تیسری قسم کے سربراہ کار سے عمداً خلاف شریعت کام ہو سکتا ہے اور نہ اس کی اطاعت سے کوئی مسلمان سرتابی کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بغاوت و نافرمانی سے منع فرمایا ہے اور اس کے لئے دعائے خیر و صلاح کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ البتہ چوتھی قسم کی بادشاہی میں قانون حکومت خود بادشاہ بناتا اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرتا ہے وہ قانون سازی سے لے کر احکام کے اجراء و انفاذ تک کسی مرحلہ میں بھی کسی بالادست اقتدار کے ماتحت رہنا اور اپنے کسی فعل میں اپنے کو دنیا کے (بلکہ نعوذ باللہ خدا کے) سامنے جواب دہ ہونا نہیں چاہتا۔

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

یہاں اتنی بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ ہر نبی نے اپنے بعد اپنے بہترین صلاحیت رکھنے والے صحابیوں کو امت کا کام سنبھالنے کی برابر وصیت کی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے بعد (حضرات یوشع، کالب، یوساقوس) کو یکے بعد دیگرے خلافت کی وصیت فرمائی تھی۔

(خلافت وملوکیت کی حقیقت ص ۲۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے باغی، طاغی وغیرہ نازیبا کلمات استعمال کرنے اور ان کے لئے حدیث شریف سے استدلال کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حضرت آدم علیہ السلام کے لئے نعوذ باللہ نافرمان کا لفظ استعمال کرنے لگے، اور قرآن پاک کی آیت **وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ** کو استدلال میں پیش کرے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ظالم کا لفظ استعمال کرے اور دلیل کے طور پر قرآن پاک کی آیت **رب انی ظلمت نفسی** (سورہ قصص) پیش کرے۔

یا اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کاذب اور جھوٹے کا لفظ استعمال کرے اور جب اس کو روکا ٹوکا جائے تو جسارت کے ساتھ ہفوات بکنے لگے کہ یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کہہ کر شفاعت کرنے سے انکار فرمادیں گے۔ **انی کذبت ثلاث کذبات**۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سلف نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے باغی کا لفظ اپنی کتابوں میں استعمال کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن اسلاف نے خطاء اجتہادی کی بنا پر یہ لفظ استعمال کیا ہے انہیں حضرات اکابر نے کف

لسان وقلم کا بھی تو حکم دیا ہے۔

وان کنت لا تدری فتلک مصیبة

وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

امیر شام کا دشمن علی کا ہو نہیں سکتا
جو دشمن ہو صحابہ کا حسینؑ ہو نہیں سکتا
خدا جس سے ہوا راضی وہ طاغی ہو نہیں سکتا
وحی کا لکھنے والا کوئی باغی ہو نہیں سکتا

سوال (۳)

اس شخص کا الزام ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے احادیث کے سلسلہ میں خیانت سے کام لیا اور انہوں نے ذخیرہ حدیث کا آدھا حصہ گول کر دیا (نعوذ باللہ) نیز وہ درباری مولوی تھے۔

(ایسا کہنے والے کے حق میں شریعت کیا حکم لگاتی ہے)

جواب (۳)

کسی ادنی درجہ کے صحابی پر بھی خیانت کا الزام لگانا موجب فسق، معصیت کبیرہ اور بے شک وشبہ ناجائز وحرام ہے، صحابہ کرامؓ سے بدگمانی رکھنا ان کو برا کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت اور شریعت الٰہیہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے، ایسے شخص کے کفر کا اندیشہ ہے۔ (خلفاء راشدین ص ۶)

اور ان پر خیانت کا الزام سراسر کذب واتہام ہے چہ جائے کہ عزت و عظمت کے پہاڑ، سرخیل اصحاب صفہ، خشیت الٰہی، تقویٰ و پرہیزگاری، عبادت و ریاضت، اتباع سنت اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکر پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث طیبہ کے راوی ہونے کا اعزاز رکھنے والے عظیم المرتبت صحابی سیدنا حضرت ابو ہریرۃؓ پر ایسا رکیک الزام لگایا جائے۔ **استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔**

صحابی کی فضیلت وعظمت قرآن وحدیث میں جا بجا مذکور ہے۔ کسی ادنیٰ درجہ کے صحابی سے دل میں نفرت ونا گواری وانقباض رکھنا یا ان پر نعوذ باللہ کوئی

الزام تراشی کرنا دنیا وآخرت تباہ وبرباد کرنے کے لئے کافی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت صحابہ سے متعلق قرآن وحدیث سے کچھ باتیں یہاں نقل کردی جائیں تا کہ ایک عام مسلمان ان کو پیش نظر رکھے اور صحابہ کرام کے متعلق اپنے دل میں کوئی بدگمانی نہ آنے دے۔

آیت کریمہ ★ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ★ و کذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس

ان دونوں آیتوں کے اصل مخاطب اور اولین مصداق حضرات صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔

★ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور متقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیروکار ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اس میں صحابہ کرام کے دو طبقے بیان کئے گئے ہیں ایک سابقین اولین کا دوسرے بعد میں ایمان لانے والوں کا، اور دونوں طبقوں کے متعلق اعلان کردیا گیا کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ مقدمہ استیعاب میں فرماتے ہیں:

"ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدا ان شاء اللہ تعالی"

"یعنی اللہ جس سے راضی ہوگیا پھر اس سے کبھی ناراض نہ ہوگا"

یہ اس وجہ سے کہ اللہ کو سب اگلی اور پچھلی چیزوں کا علم ہے لہٰذا وہ راضی اس شخص سے ہو سکتے ہیں جو آئندہ زمانے میں بھی رضاء الٰہی کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے، اس لئے کسی کے واسطے رضاء الٰہی کا اعلان اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا اس سے رضاء الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی سرزد نہ ہوگا۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنو معہ نورھم یسعی بین ایدیھم و بایمانھم

اس دن اللہ رسوا نہ کرے گا رسول کو اور ان کے ساتھی مؤمنین کو ان کا نور دوڑتا پھرے گا ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آخرت میں صحابہ کو عذاب نہ ہوگا اور یہ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی ان کا نور زائل نہ ہوگا ورنہ زائل شدہ نور ان کے کیا کام آتا۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۵۳۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب قلوب میں بہتر پایا چنانچہ اس کو اپنی رسالت کے لئے مقرر فرمالیا، پھر دوسرے قلوب پر نظر ڈالی تو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا چنانچہ ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب فرمالیا، ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنالیا، پس یہ صحابہ جس کام کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کام کو یہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔

”ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد خیر قلوب العباد فاصطفاہ لنفسہ فابتعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ فما رأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما رأہ سیأً فھو عند اللہ سیئی۔ (موطاء امام محمد ص ۱۱۲، البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ر ص ۳۲۸، اقامۃ الحجہ ص ۸ مجالس الابرار ۳۰)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آ چکا ہے، بنی اسرائیل کے بہتر فرقے ہو گئے تھے میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا، صحابہ نے عرض کیا، وہ فرقہ کونسا ہوگا، فرمایا ما انا علیہ واصحابی جس طریق پر میں اور میرے صحابہ ہیں (مشکوۃ شریف ۳۰)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔

اگر چہ ظاہراً اتنا فرما دینا کافی تھا کہ جس طریقہ پر میں ہوں لیکن پھر بھی آپ نے اپنے ساتھ صحابہ کا ذکر اس لئے کیا تا کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے صحابہ کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے۔
(مکتوبات امام ربانی ج ۱ ر ص ۱۰۳)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ میں سے کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پائے گا وہ قیامت کے روز اس

سرزمین والوں کے لئے قائداور نور بن کر اٹھے گا۔

ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً و نوراً لھم یوم القیامۃ (ترمذی شریف ج ۲/ص ۲۲۶)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ حضرت اویس قرنیؒ اپنی تمام تر بلندی شان کے باوجود چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف صحبت سے مشرف نہ ہو سکے اس لئے ادنی صحابی کے مرتبہ کو بھی نہ پہونچ سکے۔

کسی شخص نے عبد اللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبد العزیز سے کئی گنا بہتر ہے۔

(مکتوبات امام ربانی ص ۲۰۵)

پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت نے اتفاق کیا ہے کہ جو اختلافات صحابہ کے درمیان ہوئے ہیں اس کے بارے میں سکوت اختیار کرنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنے سے باز رہنا واجب ہے اور ان کے فضائل ومحاسن کو ظاہر کرنا اور ان کو بیان کرنا مناسب ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۵۴)

علامہ ابن ہمامؒ عقائد اسلامیہ پر اپنی مشہور کتاب مسامرہ میں فرماتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہ کرامؓ کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے اس طرح کہ ان سب کی عدالت (عدل) کو ثابت کیا جائے

اوران پر کسی قسم کا طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے، اوران کی مدح وثنا بیان کی جائے جیسا کہ اللہ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔

اعتقاد اھل السنة والجماعة تزکیة جمیع الصحابة وجوبا باثبات العدالة لکل منھم والکف عن الطعن فیھم والثناء علیھم کما اثنی اللہ سبحانه وتعالٰی علیھم (مسامرہ ص ۱۳۲)

عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفیہ میں ہے کہ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر بجز خیراور بھلائی کے نہ کیا جائے۔

ویکف عن ذکر الصحابة الابخیر (شرح عقائد نسفیہ ص ۱۱۶)

علامہ سید شریف جرجانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ تمام صحابہ کی تعظیم کرنا اور ان پر اعتراض کرنے سے بچنا واجب ہے اس لئے کہ اللہ عظیم ہے اوراس نے ان حضرات پر اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں مدح وثنا فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان کی ثناء فرمائی ہے:

انه یجب تعظیم الصحابة کلھم والکف عن القدح فیھم لان اللہ عظیم واثنی علیھم فی غیر موضع من کتابه....... الی ...... والرسول صلی اللہ علیه وسلم قد احبھم واثنی علیھم فی الاحادیث الکثیرة
(شرح مواقف)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا اللہ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے

میرے صحابہ کو منتخب فرمایا اور ان کو میرا مددگار اور رشتہ دار بنایا۔

خبردار! آخر زمانے میں ایک گروہ ایسا پیدا ہوگا جو صحابہ کا رتبہ کم کرے گا تو تم ان کے ساتھ (میل جول نہ رکھو) نہ کھاؤ نہ پیو، نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو، ان پر خدا کی لعنت نازل ہوئی ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی روایة انس ان الله عزوجل اختارنی واختارلی اصحابی فجعلهم انصاری وجعلهم اصهاری وانه سیجیئ فی آخر الزمان قوم ینقصونهم الا فلا تأکلوهم الا فلا تشاربوهم الا فلا تنا کحوهم الا فلا تصلوا معهم الا فلا تصلوا علیهم، علیهم حلت اللعنة (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا نہ کہو ان میں سے کسی ایک کا ایک گھڑی عبادت کرنا تم میں سے کسی کے عمر بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

لا تسبوا اصحاب محمد فلمقام احدهم ساعة خیر من عمل احدکم عمره۔

حضرت عدی نے ابن عائشہؓ سے مرفوعاً ایک روایت نقل کی ہے کہ میری امت کے بدترین افراد وہ ہیں جو میرے صحابہ کی برائی بیان کرنے میں بہت جری ہوں۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ کا خدا سے اس حال میں ملنا کہ وہ انسانوں کے گناہوں کا گٹھر باندھ کر سر پر رکھے ہوئے ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ خدا کے دربار میں اس حال میں حاضر ہو کہ میرے صحابہ میں

سے کسی ایک صحابی کی عداوت و بغض اپنے دل میں رکھتا ہو کیوں کہ ایسے شخص کی قیامت کے دن بخشش نہ ہوگی۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان یلقی اللہ عبد بذنوب العباد خیر لہ من ان یبغض رجلا من اصحابی فانہ ذنب لا یغفر لہ یوم القیامۃ

(نزہۃ المجالس ج ۲ رص ۴۴۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استغفار کریں مگر لوگوں نے (بجائے استغفار کرنے کے) ان کی بدگوئی شروع کر دی یہ کہہ کر انہوں نے: **والذین جاؤا من بعدھم یقولون الخ** کی تلاوت فرمائی۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۶)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں جو صحابہ کرام سے بغض رکھے اور ان کو برا کہے تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حق حصہ نہیں۔

من ابغض الصحابۃ وسبھم فلیس لہ فی المسلمین

حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے صحابہ کی تعظیم نہ کی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں لایا۔

ما آمن برسول اللہ من لم یوقر اصحابہ (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۴۶)

حضرت امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ گمان کیا کہ علی حضرات شیخین سے زیادہ مستحق خلافت تھے اس نے تمام مہاجرین وانصار کو غلطی پر سمجھا اور میں نہیں سمجھتا کہ ان سب کو خطا پر سمجھنے کے بعد اس کا کوئی نیک کام آسمان تک

جاسکے گا۔ (ازالۃ الخفاء فصل چہارم ص ۲۲۴)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے بعد خیر امت حضرت ابوبکرؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں ان کے بعد حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے بعد بقیہ تمام صحابہ خیر الناس ہیں۔ کسی کے لئے زیبا نہیں ہے کہ ان کا نام ذرہ برابر برائی کے ساتھ لے یا ان پر طعن کرے یا عیب جوئی کرے اور جو یہ کام کرے حکومت اسلامی پر شرعاً واجب ہے کہ وہ ایسے خبیث کو سزا دے اور اس کو معاف نہ کرے، اس سے توبہ کرائے، اگر صدق دل سے توبہ کرلے تو قبول کر لی جائے گی اور اگر توبہ نہ کرے تو سزا جاری رکھے اور اس کو قید کردے تا آنکہ توبہ کرلے یا مرجائے۔ (الصارم المسلول ص ۵۷۳)

حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ فرماتے ہیں:

ائمہ کو برا کہنے سے آدمی چھوٹا رافضی ہوجاتا ہے اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرنا یہ اصل رفض ہے۔ (تنقیح التنقید ص ۱۰)

(تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم در فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۷ ۴)

اب کچھ معروضات مختصر طور پر حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام اور جلالتِ شان نیز دوسرے حضرات صحابہ کرام کی نگاہ میں ان کے مرتبہ کے تعلق سے نقل کی جاتی ہیں نیز چند واقعات حضرت کے کمال احتیاط کے تحریر کئے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ جو ناواقف حضرت ابوہریرۃؓ جیسی محتاط شخصیت پر یہ گندے اور گھناونے الزام لگارہے ہیں وہ کس قدر جسارت بیجا کے مرتکب ہورہے ہیں اور ان کا یہ اقدام کس قدر لائق افسوس اور ناقابل یقین ہے۔

•••••••••••••••••••••••••••••••••••••••

حضرت ابو ہریرۃؓ کے وسعت علم کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں علم کا ظرف قرار دیا ہے چنانچہ علم میں ہر قسم کے علوم دینی (قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ) شامل ہیں چنانچہ آپ کا شمار صحابہ کرام کے کبار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے، آپ علم حدیث کے علاوہ دوسرے دینی علوم میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، البتہ ان کی علمی زندگی میں روایت واشاعت حدیث کا پہلو سب سے نمایاں ہے۔

☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی روایات سنی ہیں جو ہم نے نہیں سنیں۔

☆ حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں احادیث کو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کروں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ابو ہریرۃ ہم سب سے زیادہ حضورؐ کی صحبت میں رہے ہیں اس لئے ہم سب سے بڑھ کر حدیث کے عالم ہیں۔

☆ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرۃ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ باتیں بھی پوچھ لیا کرتے تھے جن کے دریافت کرنے کی ہم کو جرأت نہ ہوتی تھی۔

☆ امام اعمشؒ ابو صالح السمانؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرۃؓ تمام صحابہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

☆ یہی بات حضرت امام شافعیؒ، حافظ ابن عبد البر اندلسیؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ سے بھی مروی ہے۔

ذیل میں ہم چند واقعات نمونہ کے طور پر تحریر کرتے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہر انصاف پسند اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کس قدر نامعقولیت و بیہودگی پر مبنی ہے۔ جس کے دل میں اس درجہ خوف خداوندی غالب ہو وہ کسی علمی خیانت کا مرتکب ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۱) پانچ لاکھ درہم بیت المال کے سپرد

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃؓ نے فرمایا کہ میں بحرین سے اپنے ساتھ پانچ لاکھ کی رقم لایا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رقم پیش کر دی۔ تو انہوں نے پوچھا یہ کتنا مال ہے؟ میں نے کہا پانچ لاکھ، حضرت عمرؓ متعجب ہو کر بولے کیا تم جانتے ہو کہ پانچ لاکھ کتنے ہوتے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں اور اس کی تفصیل بتلا دی۔

امیر المومنین نے کہا (شاید) تم پر بے خوابی کے اثرات ہیں، اس وقت جاؤ، صبح پھر آنا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو میں دوبارہ حاضر ہوا اور کہا امیر المومنین مجھ سے یہ مال لے لیجئے، حضرت عمرؓ نے دوبارہ پھر پوچھا یہ کتنا مال ہے، میں نے کہا پانچ لاکھ، حضرت عمر نے پوچھا کیا یہ تمام رقم حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہے؟ میں نے کہا میرے علم کے مطابق یہ تمام مال حلال کی آمدنی ہے، پھر امیر المومنین نے (یہ رقم بیت المال کے لئے قبول کرتے ہوئے) اعلان کرا دیا کہ اے لوگو اس وقت ہمارے پاس کثیر مال آیا ہے۔ (کتاب الخراج لقاضی ابو یوسفؒ ص ۴۸)

(۲) امارت قبول کرنے سے انکار

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا امیر بنانا چاہا مگر حضرت ابوہریرۃؓ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر نے فرمایا آپ امارت کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ یوسف علیہ السلام نے اس کے لئے اپنی خواہش ظاہر کی تھی، جو آپ سے بہتر تھے یہ سن کر حضرت ابوہریرۃ نے کہا یوسف علیہ السلام نبی ابن نبی تھے اور میں امیہ کا بیٹا ابوہریرۃ ہوں۔ (طبقات ابن سعد، جلد ۲ /ص ٦١)

(۳) فکر آخرت

آپ مرض الوفات میں محاسبہ آخرت کا خیال کر کے بہت روتے تھے لوگوں نے پوچھا کہ آپ روتے کیوں ہیں، تو فرمایا میں اس دنیا کی دل فریبیوں کی چھوٹ جانے پر نہیں روتا میں تو اس لئے روتا ہوں کہ سفر طویل ہے اور زادراہ کم۔ میں اس وقت جنت اور دوزخ کے نشیب وفراز میں ہوں، معلوم نہیں کس راستہ پر جانا پڑے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ٨ /ص ۹۳۷)

(۴) آخرت میں محاسبہ کا خوف

ایک مرتبہ آپ کی ایک حبشی خادمہ نے آپ کو بہت غصہ دلایا آپ نے غصہ میں آکر اس کو مارنے (اور تادیب) کے لئے چابک اٹھایا لیکن خوف

آخرت غالب آ گیا، چابک ہاتھ سے رکھ کر فرمانے لگے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ قیامت کے دن مجھ سے بدلہ لیا جائے گا، تو میں اس چابک سے تیری پٹائی کر دیتا۔ جامیں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آزاد کر دیا۔ (سیر الصحابہ ۳/)

(۵) خوف آتش جہنم سے لرزاں

ایک مرتبہ آپ کی بیٹی نے عرض کیا کہ ابا جان لڑکیاں مجھے طعنے دیتی ہیں کہ تمہارے والد تمہیں زیور کیوں نہیں پہناتے؟ آپ نے اپنی بیٹی سے فرمایا بیٹی! ان سے کہنا میرا باپ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کو جہنم کی آگ میں نہ جلنا پڑے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ /ص ۷ ۹۳)

شیعہ مذہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اور آپ کے جانشینوں پر حملہ کر کے خود اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک ایسا حملہ کیا ہے جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تفسیر مظہری میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استاذ امام شعبیؒ کا قول کیا ہے کہ اگر یہودیوں سے پوچھا جائے کہ تمہاری امت میں سب سے افضل کون لوگ ہوتے ہیں، تو وہ فوراً کہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء اور ان کے صحابی۔

اور اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ تمہاری جماعت میں سب سے بزرگ تر کون لوگ ہیں، تو وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔

لیکن اگر شیعوں سے پوچھا جائے کہ امت محمدیہ میں سب بدترین مخلوق کون ہے تو ان کا جواب ہوگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ۔

نعوذ باللہ، استغفر اللہ

سوال (۴)

اس شخص کے شائع کردہ کتابچہ میں اس کی جانب سے ایسے سوالات قائم کئے گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کا عندیہ دیا تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم کاغذ منگوا کر کچھ وصیت کرنی چاہی تھی لیکن بعض صحابہ نے منع کر دیا تھا بلکہ وہاں جھگڑا کھڑا کر دیا گیا تھا۔

اس طرح لشکر اسامہ میں اکابر صحابہ (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید سے جانے کے لئے کہا تھا وغیرہ بے شمار سوالات ہیں، ان سوالات کے کرنے کا کیا مطلب سمجھا جائے اور ایسے شخص کے بارے میں کیا نظریہ قائم کیا جائے

جواب (۴)

اس سوال کا بہت عمدہ، مسکت اور مدلل جواب حضرت مولانا محمد سراج الحق مچھلی شہری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب وفات سرور کائنات میں بیان فرمایا ہے۔ اس کو پڑھ کر معاندین کا سارا الزام ہباء منثورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہوئی (وفات سے پانچ روز قبل) تو حجرۂ عائشہؓ میں بہت سے صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کو آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی، ایک بار غشی سے افاقہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: ''آؤ میں تم کو ایک بات

ایسی لکھ دوں جس کے بعد تم بہک نہ سکو گے، کاغذ قلم دوات لاؤ، ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم حضرت علیؓ ہی کو دیا تھا، دیکھئے (فتح الباری باب کتابۃ العلم) لوگ کاغذ لائے اور املاء کے منتظر ہوئے (اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر غشی آ گیا۔ یہ حال دیکھ کر سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سخت ہے بار بار غشی ہو رہی ہے ہم ایسی حالت میں آپ کو کچھ سوچنے اور لکھنے کی تکلیف کیوں دیں) ہمارے پاس قرآن اللہ کی کتاب تو موجود ہی ہے (جو صورت پیش آئے گی اس کے لئے ہم قرآن سے ہدایت نکال کر عمل کریں گے) تو ''اہل بیت'' (حجرہ میں موجود صحابہ) اختلاف کرنے لگے بعضوں نے کہا کاغذ لے کر تیار رہو تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات لکھ (لکھوا) دیں جس سے تم لوگ بہک نہ سکو، دوسرے بعضوں نے وہی کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ اختلاف بڑھنے کا شور سا ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخوش ہو کر فرمایا ''تم سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ'' (عبید اللہ راوی کہتے ہیں کہ) ابن عباس یہ روایت بیان کر کے جب (ہمارے یہاں سے) نکلے تو یہ کہتے تھے کہ اجی بڑی مصیبت تو یہی ہوئی کہ ان کے شور اور اختلاف کے باعث اس تحریر میں رکاوٹ پڑ گئی۔

(بخاری عن علی بن عبد اللہ باب مرض النبی ج ۲ ص ٦٣٨)

تشریح: (۱) چونکہ ولایت عہد اور وصیت استخلاف ایک ضروری اور اہم معاملہ تھا نیز سیاسی حالات کا تقاضا تھا کہ اس کے متعلق صریح حکم دے دیا جائے اس سے آپ نے اپنے پہلے فیصلہ (التواء تحریر) کو پھر منسوخ فرمایا اور

دوسرا فیصلہ یہی کیا کہ مضمون وصیت لکھا ہی دیں۔

(۲) یہ تو سچ ہے کہ صراحتہً اور حتماً نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ اس روز تحریر میں کیا لکھانے والے تھے، مگر اس سے قبل کے اور بعد کے قوی قرائن دیکھ کر ایک منصف اور خالی الذہن شخص تو یقیناً کہہ دے گا کہ وہ تحریر لکھی جاتی تو ابوبکرؓ ہی کو وصی اور خلیفہ بلافصل بنانے کے لئے ہوتی مورخین نے اس واقعہ کو پچھلے واقعات سے الگ کر کے دیکھا ہے اس وجہ سے وہ نہ ان قرائن کا ذکر کرتے ہیں اور نہ ان کے نتیجہ کا، ان کا ذہن ذیل کے قرائن کی طرف غالباً گیا ہی نہیں۔

(الف) دو دن پہلے آپ نے زنانخانہ میں سیدہ عائشہؓ سے بھی تحریر ہی لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا اور اس وقت یہ فرما کر کہ ابوبکرؓ کے سوا کسی پر خدا راضی نہ ہوگا''۔ اس تحریر کو ملتوی کر دیا تھا۔ یعنی وہ تحریر اگر لکھی جاتی تو اس میں ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانے کی ہی وصیت ہوتی۔

(ب) اور اس وقت (جمعرات) کو بھی آپ نے تحریر ہی لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا اور جب اہل بیت نے شور مچایا تب بھی آپ نے تحریر ملتوی فرمادی۔

(ج) دو ہی دن بعد آپ نے صریح حکم دے دیا کہ ''ابوبکرؓ میری جگہ پر نماز پڑھایا کریں۔''

ان قبل اور بعد کے قرائن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تحریر اتنا واضح ہے کہ اسے دشمن بھی خوب سمجھ گئے پھر بھی وہ حضرت علیؓ کے بارہ میں ایک بلا وجہ دور از کار احتمال اٹھا کر ڈھول کی رسی برابر بٹے جا رہے ہیں۔ آج تک جب بھی سنئے تو وہی واقعہ قرطاس کا چرخہ چلایا جا رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کا تو مقصد ہی

اسلام میں تفریق اور دلوں میں وسوسہ ڈالنا ہے۔

(۳) بہر حال اپنے مستقبل کے امکانات اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے کے بعد جو تحریر لکھانے کا فیصلہ کیا (جو لکھی نہیں جا سکی) تو اس کا راز یہی سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ انصار میں سے حضرت سعد انصاری اور مہاجرین میں سے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے دعوائے خلافت ظاہر ہونے والا تھا۔ اسی کا انعکاس قلبِ مبارک پر ہو رہا تھا اس لئے آپ نے چاہا کہ ابوبکرؓ کے بارہ میں صریح حکم لکھوا دوں تاکہ میرے گھرانہ والے بھی اور انصار بھی میرا حکم سن کر اختلاف نہ کریں۔

(۴) لیکن باوجود خواہش نبوی کے یہ تحریر جو نہیں لکھی گئی اس کا بھی راز یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور تو یہ تھا کہ امت ہی آپس کے مشورہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرے اور امت میں جمہوری طرز حکومت کی بنیاد پڑے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسری بار بھی ابوبکر کو یا کسی کو "خلافت کے لئے" نامزد نہیں کیا۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اس تحریر میں حضرت علیؓ ہی کے بارہ میں وصیت کرنے کا رہا ہوتا جیسا دشمن احتمال نکالتے ہیں۔ تب بھی حق تعالیٰ کو منظور ہی نہیں تھا کہ وہ تحریر عالم وجود میں آئے۔

(۵) یہ واقعۂ قرطاس کہلاتا ہے، ظاہر میں لوگ اس کو پنج شنبہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور نتیجہ نکالنے میں غلطی کرتے ہیں حالانکہ اس کا تعلق واقعہ اول ہی کی تحریر سے ہے اس کو اسی کی روشنی میں دیکھنے سے صحیح مطلب سمجھا جا سکتا ہے دشمنوں نے جو وساوس مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے چاہے ہیں اس کا جواب

بعض مشہور اہل قلم نے یہ دیکھ کر کہ ''اس واقعہ سے تو حضرت عمرؓ پر الزام الگ لگتا ہے اور نعوذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق بھی شائبہ تنقیص الگ ہوتا ہے، سرے سے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت ہی کا انکار کرنا چاہا ہے اور کہا ہے کہ اس انکار میں ہم اس وجہ سے اور بھی حق بجانب ہیں کہ اتنے اہم واقعہ کے راوی صرف ابن عباسؓ ہی ہیں جو وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اول تو خود موجود نہیں تھے دوسرے اس وقت ان کی عمر کل تیرہ (۱۳) سال کی تھی اس لئے ۱۳ رسالہ نو عمر شخص جو واقعہ کے عینی شاہد بھی نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور عمر پر الزام کی روایت کریں اور تنہا روایت کریں تم ہم اس کو رد کر دینا آسان سمجھتے ہیں۔ (الفاروق علامہ شبلی ص ۳۸)

مگر میرے نزدیک یہ بات معقول نہیں، اول تو اس وجہ سے کہ ابن عباسؓ حبر امت ہیں، حضور کے نظر کردہ اور دعا یافتہ ہیں، ان کی عمر چودہ، تیرہ برس ہی ہو خواہ اس سے بھی کم رہی ہو، وہ قابل اعتماد ہیں اور یقینا ہیں، پھر خواہ واقعہ کے وقت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ رہے ہوں وہ یقینا ثقہ اور عادل ہیں، اور ان کی روایت یقینا معتبر ہے۔

دوسرے ثقہ راویوں کی روایت صحیحہ کو محض اس بے وزن قیاس سے اصولاً رد نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرے اگر ابن عباسؓ سے الزام اور تنقیص کی صرف یہی ایک روایت منقول ہوتی تب تو خیر اس حدیث کے انکار میں کچھ معقولیت بھی ہوتی لیکن ہم کو تو ابن عباسؓ ہی کی بعض روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن میں اس ''الزام اور تنقیص

’’ کا مضمون سرے سے نہیں تو اس روایت کا انکار کیوں کیا جائے؟

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بخاری میں اس روایت کا ذکر مجھے پانچ جگہ چھ طرق سے ملا ہے۔

		۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
(الف) باب کتابت العلم ج ۱ ص ۲۲	استاذ	بخاری	ابن وہب	یونس	ابن شہاب	عبیداللہ	ابن عباس	
(ب) باب جوائز الوفد ج ۱ ص ۴۲۹	استاذ	بخاری	قبیصہ	ابن عیینہ	سلیمان احول	سعید بن جبیر	ابن عباس	
(ج) باب مرض النبی ووفاتہ ج ۲ ص ۶۳۸	استاذ	بخاری	قتیبہ	سفیان	سلیمان احول	سعید بن جبیر	ابن عباس	
(د) باب ایضاً ج ۲ ص ۶۳۸	استاذ	بخاری	علی بن عبداللہ	عبدالرزاق	معمر	زہری	عبیداللہ	ابن عباس
(ہ) باب قول المریض قوموا عنی ج ۲ ص ۸۴۶	استاذ	بخاری	ابراہیم بن موسیٰ	ہشام	معمر	زہری	عبیداللہ	ابن عباس
(و) باب ایضاً ج ۲ ص ۸۴۶	استاذ	بخاری	عبداللہ بن محمد	عبدالرزاق	معمر	زہری	عبیداللہ	ابن عباس

ان طرق میں سے صرف دو طریق ایسے ہیں جن میں یہ الزام وتنقیص کا مضمون ہے وہ طرق وہ ہیں جن میں بخاری کے استاد قریب قبیصہ اور قتیبہ ہیں اور استاد بعید سعید بن جبیر ہیں ورنہ بقیہ چار طرق جن میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عبیداللہ ہیں ان میں یہ لغو مضمون سرے سے نہیں، تو ہم بخاری کے چار استادوں (ابن وہب، علی بن عبداللہ، ابراہیم بن موسیٰ اور عبداللہ بن محمد) کی روایتوں کو آخر کس جرم میں رد کر دیں؟ کیا صرف اس جرم میں کہ اسی قصہ قرطاس کے دو طرق میں ’’الزام وتنقیص‘‘ کا لغو مضمون موجود ہے؟ ابن عباس کی روایت کے مطلقاً انکار کر دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے ہر طریق میں ’’الزام

وتنقیص'' کا قابل اعتراض اور لائق احتراز مضمون موجود ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے اکثر طرق کا مضمون بے غبار بھی ہے پس واقعہ قرطاس اور روایت ابن عباس کے مطلقاً انکار کے مقابلہ میں ہم یہ کیوں نہ کریں کہ اس کے چار بے غبار طرق کو توصحیح مانیں اور صرف انہیں دو طرق کا انکار کریں جن میں بخاری کے استاد قریب قبیصہ اور قیتبہ اور استاد بعید سعید بن جبیر ہیں، اگر خود حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ اس ''الزام وتنقیص'' کے لغو مضمون کے ساتھ مروی ہوتا تو اسے ان کے ہر شاگرد کی روایت میں ہونا چاہئے تھا مگر آخر یہ کیا راز ہے کہ چار طرق میں تو کہیں اس مضمون کا پتہ نہیں صرف دو ہی طرق میں ہے؟ اور اس میں بھی اگر کوئی ماہر جرح وتعدیل اور فن رجال کا واقف عالم دین ذرا نظر تحقیق سے کام لے تو ہو سکتا ہے کہ یہ انکشاف[1] ہو کہ وہ دراصل ایک ہی طریق ہے اور کسی راوی کی کسی مخفی غرض نے اسے دو بنا دیا ہے خیر یہ کام تو فن رجال کے کسی عالم کا ہے لیکن مجھے اس طریق کے خود مضمون میں بھی کچھ نکارت معلوم ہوتی ہے۔ آپ بھی سن لیجئے:

''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہائے جمعرات! ارے کیسی کچھ تھی وہ جمعرات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس آؤ میں تم کو ایک ایسی تحریر لکھ (لکھوا) دوں کہ تم اس کے بعد پھر کبھی بہک نہ سکو گے تو اہل بیت آپس میں جھگڑنے لگے حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا

---

[1] (فتح الباری ج ۶ / باب جوائز الوفد میں مل گیا قیتبہ دراصل سفیان ثوری کے شاگرد ہیں، انہیں سے روایت بھی کرتے ہیں سفیان ابن عبید سے بجز بخاری کی اس روایت کے کوئی اور روایت ہی نہیں اور فربری کے شاگرد ابن السکن کی روایت میں قبیصہ کی بجائے قیتبہ ہی کا نام ہے۔ الحمد للہ)

مناسب نہ تھا تو کچھ لوگوں نے یہ کہہ دیا۔ "یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے؟ کیا آپ نے ہذیان کہا ہے؟ ذرا آپ سے پھر تو پوچھ لو تو لوگ آپ کے پاس آپ کی بات دوبارہ پوچھنے گئے، تو آپ نے فرمایا: تم سب مجھے چھوڑ دو، میں اس حالت میں اس سے اچھا ہوں جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، پھر آپ نے ان کو تین وصیتیں فرمائیں، ایک یہ فرمایا کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، ایک یہ کہ وفود کو اسی طرح انعام اور تحائف دینا جیسے میں دیتا تھا، تیسری بات پر وہ چپ ہو گئے یا یہ کہ میں ہی بھول گیا (باب مرض النبی ج ۲ ص ۶۳۸) باب جوائز الوفد ج ۱ ص ۴۲۹) میں بھی تقریباً یہی مضمون ہے صرف اتنا فرق ہے کہ "کیسی کچھ تھی وہ جمعرات"! کے بعد اس میں اتنا اضافہ ہے کہ "پھر ابن عباس اتنا روئے کہ ان کے آنسوؤں سے کنکریاں تر ہو گئیں" اور کیا آپ نے ہذیان کہا ہے؟ کے بعد "پھر تو پوچھ لو" کا لفظ نہیں ہے۔ اچھا اب اس نکارت کا حال سنئے:۔

(۱) امت میں بعد کے اختلافات دیکھ کر صرف ابن عباس کا رونا اور اتنا رونا کہ چہرہ ریش مبارک دامن وغیرہ سے گذر کر زمین کے کنکر پتھروں کا بھیگ جانا کچھ جی کو نہیں لگتا، بے غبار روایت میں "ان الرزیۃ کل الرزیۃ" کا لفظ آیا ہے یعنی انہوں نے فرمایا کہ اجی ساری مصیبت تو یہی ہوئی کہ لوگ اختلافات کرنے لگ گئے اور تحریر نہ لکھی جا سکی، تحریر آج ہوتی تو یہ اختلافات نہ ہوتے، معلوم ہوتا ہے کہ اسی مضمون کو غیر ضروری مبالغہ کے ساتھ کسی راوی نے بیان فرما دیا ہے۔

(۲) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد میں خواہ وہ حالت مرض

کی ہو یا حالت صحت کی، کسی ایک بات پر بھی کبھی اس کا احتمال نہ ہو سکا اور ہو سکتا بھی نہ تھا کہ آپ نے معاذ اللہ بے عقلی، کم عقلی، بدحواسی کی بات فرمائی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ ''کاغذ قلم دوات لاؤ میں کچھ لکھوا دوں'' آخر کونسی غرابت تھی کہ معاذ اللہ بدحواسی (ہذیان) کا احتمال ہو؟ پھر تعجب ہے کہ ابن عباس رسول کے اہل بیت حدیثی ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہجر (ہذیان، بدحواسی) کا لفظ استعمال کریں۔

(۳) جب صحابہ کاغذ قلم دوات لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ پوچھنے گئے اور قرینہ یہی ہے کہ یہ پوچھا ہوگا کہ ''حضور ہم لوگ حسب الحکم کاغذ قلم لے آئے ہیں آپ جو لکھوانا چاہتے تھے ارشاد فرمائیں، ہم لکھ لیں'' اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے اچھی ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو'' اللہ مجھے معاف فرمائے اور مجھ پر رحم کرے، میری سمجھ میں نہیں آیا، میں صحابہ کی گذارش اور حضور کے جواب میں کوئی جوڑ نہیں سمجھ سکا۔ بخاری کی روایت دیکھ کر اگرچہ علما نے کوشش کی ہے کہ ان میں جوڑ اور ربط پیدا کریں مگر میں دوراز کار تاویل کا قائل نہیں، مجھے صاف یہ نظر آرہا ہے کہ یہ بے جوڑ بات حضورؐ کے متعلق کہہ کر کسی راوی نے اسی اپنے سابق لغو لفظ ہجر (ہذیان) کا ایک جواز و ثبوت بہم پہونچانا چاہا ہے، لیکن الحمد للہ کہ یہ نکارت ان چار بے غبار طرق میں نہیں ہے۔

اگر میری معروضات بالا علمی طور پر صحیح ہوں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ دشمنان دین کے اس وسوسہ کی طرف کچھ بھی التفات کریں جو وہ ان ایک یا دو

طریق کو لے کر ہمارے دلوں میں ڈالنا چاہتے ہیں جن میں ابن عباس کے شاگرد سعید ابن جبیر ہیں، اس روایت کے مطلقاً (چاروں طرق کے) انکار کے مقابلہ میں ہم اس کا جواب یہ کیوں نہ دیں کہ چونکہ واقعہ قرطاس بخاری ہی کے چار طرق میں ایسے الفاظ سے بھی ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص نہیں ہے اس لئے ہم انہیں چار کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس ایک (یا دو) طریق کو کچھ روایۃً مشتبہ اور کچھ معنی سوء ادب جان کر رد کرتے ہیں، تمہیں اگر اعتراض کرنا ہو تو بخاری کے ان چار طرق کو لے کر کوئی اعتراض کرو۔

طریق مشتبہ کا جواب:

لیکن اتمام حجت کے لئے ہم ذیل میں اس مشتبہ طریق (سعید بن جبیر عن ابن عباس) کا بھی مسکت جواب دیئے دیتے ہیں، دشمنان دین کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پر دو الزام ہیں۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے والے تھے اسے عمرؓ نے روک دیا۔

(۲) عمرؓ نے ایسی تحریر کے لکھے جانے میں روڑا اٹکایا جس سے امت پھر نہ بھٹکنے پاتی۔

اس کا جواب یہ ہے:

(۱) حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت درجہ رعایت فرمائی اور آپ کو راحت پہونچانے کو یہ مشورہ دیا تھا۔

(۲) حضرت عمرؓ چونکہ مزاج رسالت کو ابن عباسؓ، علیؓ، عباسؓ

وغیرہم سے کچھ زیادہ ہی سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے بعض مشوروں کے مطابق وحی آلٰہی بھی نازل ہوئی جو ''موافقاتِ عمرؓ'' کے نام سے مشہور ہے، اس لئے انہیں یقین تھا کہ اگر وہ مضمون جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لکھانا چاہتے تھے، کسی واقعی دینی ضرورت کے متعلق ہوگا تو ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ حضورؐ کی حیات ہی میں اس کی تکمیل نہ فرمادی ہو۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ سے بھی تحریر لکھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا پھر اسے خود ہی ملتوی فرمادیا اس سے حضرت عمر سمجھ گئے کہ اس تحریر کا نہ لکھا جانا ہی منشاء نبوی بلکہ منشاء الٰہی ہے، حضرت ابن عباسؓ چونکہ اس سر الٰہی کو نہیں سمجھ سکے اس لئے انہوں نے رو رو کر کنکریاں تر کردیں۔

(۴) حضرت عمرؓ نے جو حسبنا کتاب اللہ فرمایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے ہادی کامل ہونے پر ان کا کس درجہ قوی ایمان تھا کہ اس نازک موقع پر بھی ان کے ایمان میں کمی نہیں ہونے پائی۔

(۵) حسبنا کتاب اللہ فرما کر حضرت عمرؓ نے اپنی صلاحیت قرآن فہمی اور اپنی ہمت کا بھی اظہار فرمادیا۔

(۶) حضرت عمرؓ نے اس وقت ایک مشورہ ہی تو دیا تھا، اگر انہوں نے غلطی کی تھی تو حضرات عباس اور ابن عباس نے اور خاص کر حضرت علی رضی اللہ عنہم نے کہ ایک روایت میں کاغذ لانے اور لکھنے کا حکم انہیں کو تو حضور نے دیا تھا اس وقت یا بعد میں حضور سے اس معاملہ کو صاف کیوں نہیں کرلیا؟

(۷) اگر عمرؓ کا یہ مشورہ غلط تھا تو اہل بیت نے حضرت عمرؓ کی موافقت

ہی کیوں کی؟

(۸) پھر جب کچھ اہل بیت نے بھی حضرت عمرؓ کی موافقت کی تو لوگوں کی یہ کتنی بد دیانتی ہے کہ اس مشورہ کا سارا الزام اور طعن صرف حضرت عمرؓ کو دیا جائے حالانکہ اس میں الزام کی بات سرے سے نہیں تھی۔

(۹) اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ ''اچھا میرے پاس سے ہٹ جاؤ'' یہ ظاہر فرما دیا کہ وہ تحریر ضروری نہیں تھی، نہ بھی لکھی جائے تو کچھ حرج نہ ہوگا۔

انتباہ ضروری:

واقعہ قرطاس میں ترک تحریر کے مشورہ میں اہل بیت کا لفظ بھی آیا ہے، میں جانتا ہوں کہ اس کے معنی یہاں ذوات اربع کے نہیں بلکہ اس جگہ ''حجرہ میں موجود کل صحابہ'' کے ہیں۔ لیکن چونکہ علماء کی عام روش یہ ہے کہ اہل بیت چاہے جہاں بھی آئے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور نواسے اور صاحبزادی ہی کو مراد لیتے ہیں، حتیٰ کہ قرآن کے لفظ اہل بیت سے بھی مراد اور مصداق انہیں ذوات اربع کو لیتے ہیں حالانکہ وہاں سو فیصدی ازواج رسول امہات المومنین مراد ہیں اس لئے میں نے بھی تشریح میں مجمل اہل بیت ہی کہا ہے۔ اس حدیث میں لفظ اہل بیت جس وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے اسے دیکھ کر تو حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ کو بھی بے تکلف اہل بیت رسول کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ چودہ سو برس سے آج تک بیت رسول میں مقیم ہیں۔ (وفات سرور کائنات ص ۳۰)

سوال (۵)

کیا حدیث اللہ اللہ فی اصحابی الخ موضوع ہے جیسا کہ شخص مذکور کا دعویٰ ہے اس حدیث کا درجہ متعین فرماتے ہوئے اس کو کہنے والے شخص کا شرعی حکم بھی بتلائیں۔

جواب (۵)

یہ حدیث اللہ اللہ فی اصحابی (سنن الترمذی ۳۸۶۲۔ مسند احمد ابن حنبل ۵/ ۵۴، ۵۷۔ کنز العمال ۳۲۴۸۳، ۳۲۵۳۰۔ حلیۃ الاولیاء ۸/ ۲۸۷۔ اتحاف السادۃ المتقین ۲/ ۴۲، ۲۲۳۔ الضعفاء للعقیلی ۲/ ۲۷۲۔ شرح السنۃ للبغوی ۱۴/ ۷۰۔ الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۴/ ۱۴۸۵۔ جمع الجوامع للسیوطی ۹۶۵۷، ۹۶۵۸۔ تاریخ بغداد ۹/ ۱۲۳۔ موارد الظمآن ۲۲۸۴۔ المغنی عن حمل الاسفار ۱/ ۹۳۔ الشفاء ۲/ ۶۰، ۱۱۸، ۶۵۱۔ مشکوۃ ۶۰۰۵۔ میزان الاعتدال ۴۴۱۲۔ لسان المیزان ۱۲۶۹) سند کے اعتبار سے اگرچہ زیادہ قوی نہیں ہے، البتہ باب سے متعلق دیگر احادیث کے تناظر میں اس کو فی الجملہ حسن کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ جامع ترمذی کے بعض نسخوں میں اس پر حسن ہی کا حکم لگا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص اسنادی ضعف کی بنا پر اس کی صحت کو تسلیم نہ کرے یا سرے سے اس کے ثبوت کا انکار کرے، تو یہ اس کی علمی و تحقیقی خطا و کمزوری ہے۔

●●●

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت، ثقاہت کا عقیدہ اور محبت وعظمت وغیرہ کا معاملہ بہرحال اپنی جگہ قائم اور مسلم ہے، اس لئے ان امور کا مدار محض اس ایک روایت پر نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت اور اجماع کے مختلف قطعی دلائل پر ہے۔

لہٰذا سند کی اصولی حیثیت سے قطع نظر اس حدیث کا مضمون اپنی جگہ بالکل درست اور برحق ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے کسی بھی فرد کو اپنے طعن وتشنیع کا ہدف بنانا پرلے درجے کی گمراہی اور سخت محرومی کی بات ہے۔ ایسا کرنے والا شخص بلاشبہ فاسق، بدعتی اور گمراہ ہے۔

سوال (٦)

کیا شیعہ واقعتاً تحریف قرآن کے قائل نہیں جیسا کہ شخص مذکور کا دعویٰ ہے۔

جواب (٦)

تحریف قرآن کا مسئلہ شیعوں کے یہاں متعہ، تقیہ اور مسئلہ بداء کی طرح ان کے اہم اور بنیادی معتقدات میں سے ہے۔ جس طرح کوئی شیعہ بغیر سبّ صحابہ کے متصور و موجود نہیں ہوسکتا اسی طرح ان کی کتابوں کی تصریحات کی روشنی میں تحریف قرآن کا مسئلہ بھی ان کے یہاں مسلم اور ناقابل انکار حقیقت ہے، چنانچہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ نے رسالہ حقیت شیعہ کے اندر بڑی تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے بھی اپنی معرکۃ الآراء کتاب ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت میں ان کی حقیقت کو خوب آشکارا فرمایا ہے۔ ان کتابوں کو پڑھنے والا کوئی ذی شعور کبھی ان کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔

چنانچہ تحریف قرآن کا مسئلہ ان کے یہاں مسلمات اور متواترات میں سے ہے، ان ہی کی کتابوں کی تصریحات کے چند نمونے ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

جو شخص تفصیل دیکھنا چاہے وہ مذکورہ بالا کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔

(۱) اہل بیت کے واسطہ سے پہونچی ہوئی روایات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ پورے کا پورا اس طرح

نہیں ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، بلکہ اس میں کچھ حصہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قرآن کے خلاف ہے اور کچھ حصے میں تغیر اور تحریف واقع ہوئی ہے اور اس میں سے بہت سی چیزیں نکال دی گئی ہیں۔

ان میں سے مثلاً حضرت علیؓ کا نام ہے جو قرآن میں کئی مقامات سے نکال دیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی کئی ایسے مواضع ہیں۔

المستفاد من مجموع هذا الاخبار وغيره من الروايات من طريق اهل البيت عليهم السلام ان القرآن الذين بين اظهر ناليس بتمامه كما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم بل منه ماهو خلاف ما انزل الله و منه ما هو مغير و محرف وانه قدحذف منه اشياء كثيرة منها اسم علي في كثير من المواضع ومنها غير ذلك (دیباچہ تفسیر صافی)

(۲) قرآن میں سے جو کچھ نکالا گیا ہے یا اس میں تحریف اور ردوبدل وغیرہ کیا گیا ہے اگر میں ان سب کو بیان کروں تو بات بہت لمبی ہو جائے اور وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کے اظہار کی تقیہ اجازت نہیں دیتا۔

لو شرحت لک کل ما اسقط و حرّف و بدّل ممّا یجری هذا المجری لطال وظهر ما تحظر التقية اظهاره

(احتجاج طبرسی ص ۱۲۸ طبع ایران)

(۳) محدث جزائری کہتے ہیں کہ صراحۃً تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی متواتر روایتوں کی صحت پر (ہمارے) سب اصحاب کا اتفاق ہے۔

قال السيد المحدث الجزائری مامعناه ان الاصحاب قد اطبقوا

على صحة الاخبار المستفيضة المتواترة الدالة بصريحها على وقوع التحريف في القرآن۔ (فصل الخطاب علامہ نوری ص ۳۰)

(۴) تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات دو ہزار سے زیادہ ہیں، ایک جماعت نے ان کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے جیسے مفید، محقق داماد، اور علامہ مجلسی وغیرہ۔

ان الاخبار الدالة على ذلک تزيد على الفي حديث وادعى استفاضتها جماعة كالمفيد والمحقق الداماد والعلامة المجلسي۔
(فصل الخطاب علامہ نوری ص ۳۰)

(۵) علی بن سوید کہتے ہیں ابوالحسن اوّل نے مجھے جیل سے لکھا، "اے علی! یہ جو تم نے لکھا ہے کہ دین کی بنیادی باتیں کس سے سیکھوں؟ اپنے دین کی باتیں سوائے ہمارے شیعہ کے اور کسی سے حاصل نہ کرو اس لئے کہ اگر تم ان کے علاوہ دوسرے کے پاس گئے تو گویا تم نے ایسے خیانت کرنے والوں سے علم حاصل کیا جنہوں نے اللہ ورسول سے خیانت کی، اور جو امانت ان کے پاس رکھی گئی تھی اس میں خیانت کی ان کے پاس کتاب اللہ امانت تھی انہوں نے اس میں تحریف کر ڈالی اور اس میں تبدیلیاں کیں۔، ان پر اللہ، ملائکہ، میرے نیک آباء واجداد، میری اور میرے تمام شیعہ کی قیامت تک پھٹکار ہو۔"

عن علی بن سوید السائی قال کتب الیّ ابو الحسن الاول وهو في السجن واما ما ذكرت يا عليّ ممن تاخذ معالم دينک لاتأخذن معالم دينک عن غير شيعتنا فانک ان تعديتهم اخذت دينک عن الخائنين

الذین خانوا اللہ ورسولہ و خانوا اماناتھم انھم أوتمنوا علیٰ کتاب اللہ جل وعلیٰ فحرفوہ وبدلوہ فعلیھم لعنۃ اللہ ولعنۃ ملائکتہ ولعنۃ اٰبائی الکرام البررۃ ولعنتی ولعنۃ شیعتی الیٰ یوم القیمۃ

(رجال کشی طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ تالیف ابوعمرو محمد بن عمر عبدالعزیز الکشی ص ۳ سطر ۳)

(۶) قرآن سے مراد وہ قرآن ہے جو ائمہ کے پاس محفوظ ہے جس کی سترہ ہزار آیتیں ہیں۔ مراد بقرآن قرآن محفوظ نزد ائمہ علیہم السلام ست کہ ہفدہ ہزار آیت ست۔

(صافی شرح کافی ج ۲ کتاب فضل القرآن جز ششم/ص ۶۵ طبع نولکشور)

موجود قرآن میں ۶۲۳۶ آیتیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دو تہائی قرآن غائب ہے اور ایک تہائی موجود ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ موجود قرآن سے تین گناہ زیادہ قرآن پورے کا پورا غائب ہے جس میں موجود قرآن کا ایک حرف بھی نہیں، چنانچہ آئندہ روایت میں اس کی صراحت آرہی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ مذہب کے مطابق قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں، اس روایت میں اگر حرف بمعنی لفظ کی تاویل بھی کرلی جائے تو بھی ثابت ہوا کہ شیعہ کے قرآن میں ایمان، کفر، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حشر ونشر، حساب وکتاب، جنت ودوزخ حتیٰ کہ اللہ، رسول اور ملائکہ میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہیں۔

(۷) ابوعبداللہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مصحف ہے، ان کو کیا معلوم کہ وہ کیسا مصحف ہے۔ مصحف فاطمہ تمہارے قرآن سے تین گناہ زیادہ ہے اور خدا کی قسم تمہارے قرآن کا ایک

حرف بھی اس میں نہیں ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام و ان عندنا مصحف فاطمة و مایدریھم ما مصحف فاطمة قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ثلاث مرات و اللہ مافیہ من قرآنکم حرف واحد

(اصول کافی ۱۴۶/طبع نول کشور، صافی کتاب الحجہ جز ۳/ص ۱۸۰)

(۸) ابوعبداللہ سے روایت ہے کہ جو قرآن جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن جاء بہ جبرئیل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعة عشر الف اٰیة

(اصول کافی ص ۶۷۱)

(۹) ابو محمد کہتے ہیں کہ میرے استاذ نے مجھ سے کہا، اے محمد بیشک ہمارے پاس الجامعہ ہے ان کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا میں آپ پر فدا ہوں جامعہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ صحیفہ ہے جس کی لمبائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گز سے ستر گز ہے۔

قال یا أبا محمد و ان عندنا الجامعة و مایدریھم ما الجامعة قال قلت جعلت فداک و ما الجامعة قال صحیفة طولھا سبعون ذراعا بذراع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صافی جز ۳/کتاب الحجہ ص ۱۷۸، اصول کافی ۱۴۶)

(۱۰) راوی کہتے ہیں کہ میرے استاد نے کہا بیشک ہمارے پاس "جفر" ہے ان کو کیا معلوم کہ "جفر" کیا ہے؟ میں نے "جفر" کیا ہے؟ تو فرمایا وہ ایک

چمڑے کا تھیلا ہے جس میں نبیوں، وصیوں اور علماء بنی اسرائیل کے علوم ہیں۔

قال ان عندنا الجفر وما يدريهم ما الجفر قال قلت وما الجفر قال وعاء من ادم فيه وعلم التبيبتين والوصيين وعلم العلماء الذين مضوا من بني اسرائيل (اصول كافي ١٤٦)

(۱۱) ابوبصیر ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هٰذا كتابنا ينطق عليكم بالحق**، یہ ہماری کتاب (اعمال نامہ) تمہارے خلاف ٹھیک ٹھیک بولے گا۔ ابوعبداللہ نے کہا کہ کتاب نہ کبھی بولی ہے اور نہ بولے گی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کو بولتے (پڑھتے) ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو "**هٰذا رسولنا ينطق عليكم بالحق**" فرمایا ہے، میں نے کہا میں تم پر فدا ہوں، ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے تو فرمایا، خدا کی قسم جبرئیل علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح (ہٰذا رسولنا الخ) نازل کی تھی لیکن اللہ کی کتاب میں تحریف کر کے یہ بدل دیا گیا ہے۔

عن ابي عبد الله عليه السلام قال قلت له قول الله عز وجل هٰذا كتابنا ينطق عليكم بالحق قال فقال انّ الكتاب لم ينطق ولن ينطق ولكن رسول الله هو الناطق بالكتاب قال عزّ وجل ذكره هٰذا رسولنا ينطق عليكم بالحق، قال فقلت جعلت فذك انا لا نقرؤها هكذا فقال هكذا والله نزل جبرئيل على محمد ولٰكنه حرف من كتابه عزّ وجل۔ (روضہ کلینی ۲۵)

(۱۲) موسیٰ کاظم نے علی بن سوید کو حکم دیا کہ جو تمہارے شیعوں میں سے نہیں ہیں ان سے دین حاصل مت کرو اور ان کے دین کو دوست نہ رکھ کیوں کہ یہ

وہی خیانت کرنے والے ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کی اور اپنی امانتوں میں خیانت کی تمہیں معلوم ہے وہ کیا امانتیں ہیں؟ ان کو کتاب اللہ پر امین بنادیا گیا تھا۔ انہوں نے اس میں تحریف کر ڈالی۔ اور اسے بدل دیا۔

امر موسیٰ کاظم لعلی بن سوید ولا تلتمس دینا من لیس من شیعتک ولا تحبن دینهم فانهم الخائنون الذین خانوا الله ورسوله وخانوا اماناتاهم علیٰ کتاب الله فحرفوه وبدلوه۔ (روضہ کلینی/ص ۶۱)

(۱۳) ابوجعفر کہتے ہیں کہ قرآن کے چار حصے نازل ہوئے تھے، ایک ربع ہمارے بارے میں ہے، ایک ربع ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے، ایک ربع میں سنن و امثال ہیں، اور ایک ربع میں فرائض و احکام شرع ہیں۔

عن ابی جعفر قال نزل القرآن اربعة ارباع ربع فینا وربع فی عدونا وربع سنن وامثال وربع فرائض واحکام شرع۔ (اصول کافی/ص ۶۲۹)

(۱۴) ابوبصیر، ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آیت ومن یطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظیما اس طرح نازل ہوئی تھی ومن یطع الله ورسوله فی ولایة علی والائمة من بعده فقد فاز فوزا عظیما۔

عن ابی بصیر عن ابی عبد الله علیه السلام فی قول الله عز وجل ومن یطع الله ورسوله فی ولایة علی والائمة من بعده فقد فاز فوزا عظیما، هکذا نزلت۔ (اصول کافی/ص ۲۶۲)

(۱۵) ابوعبداللہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آیت ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی اس طرح نازل ہوئی تھی

ولقد عهدنا الیٰ آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام فی قولہ ولقد عھدنا الیٰ آدم من قبل کلمات فی محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ذریتھم فنسی ھکذا واللہ نزلت علی محمد۔ (اصول کافی/ص ۲۶۳)

(۱۶) جبرئیل نے آیت بئس ماشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح نازل کی تھی بئس ماشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا

نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بئس ماشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیا۔ (حوالہ بالا)

(۱۷) جبرئیل علیہ السلام آیت فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السمآء بما کانوا یفسقون کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح لائے تھے فبدل الذین ظلموا آل محمد حقھم قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقھم رجزا من السمآء بما کانوا یفسقون۔

نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا فبدل الذین ظلموا آل محمد حقھم قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا آل محمد حقھم رجزا من السمآء بنا کانوا یفسقون۔

(اصول کافی/ص ۲۶۷)

(۱۸) آیت ولو انھم فعلوا ما یوعظون به لکان خیر الھم۔ یوں نازل ہوئی تھی: ولو انھم فعلوا ما یوعظون به فی علی لکان خیر الھم

ھکذا نزلت ھذہ الآیة ولو انھم فعلوا ما یوعظون به فی علی لکان خیر الھم۔ (اصول کافی/ص ۲٦۸)

(۱۹) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آیت فابیٰ اکثر الناس الا کفورا اس طرح نازل کی تھی: فابیٰ اکثر الناس بولایة علی الا کفورا

نزل جبرئیل بھذہ الآیة ھکذا فابیٰ اکثر الناس بولایة علی الا کفورا۔ (اصول کافی/ص ۲٦۸)

(۲۰) جبرئیل علیہ السلام نے آیت وقل الحق من ربکم (الیٰ قوله) انا اعتدنا للظالمین ناراً یوں نازل کی تھی۔ وقل الحق من ربکم فی ولایة علیّ (الیٰ قوله) انا اعتدنا للظالمین آل محمد ناراً۔

ونزل جبرئیل بھذہ الآیة وقل الحق من ربکم فی ولایة علیّ (الیٰ قوله) انا اعتدنا للظالمین آل محمد ناراً۔

(اصول کافی/ص ۲٦۸)

(۲۱) جبرئیل علیہ السلام آیت انّ الذین ظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقاً (الیٰ قوله) یاایھا النّاس قد جاءکم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیراً لکم وان تکفروا فان للہ مافی السموت وما فی الارض کو یوں لائے تھے:

انّ الذین ظلموا ال محمد حقھم لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا

ليهديم طريقا (الىٰ قوله) ياايها الناس قد جاء كم الرسول بالحق من ربكم فى ولاية على فأمنوا خيراً لّكم وان تكفروا بولايته فان لله مافى السمٰوٰتِ وَمافى الارض۔

نزل جبرئيل هٰذه الأية هٰذا انّ الذين ظلموا ال محمد حقهم لم كن الله ليغفر لهم ولا ليهديم طريقا (الىٰ قوله) ياايها الناس قد جاء كم الرسول بالحق من ربكم فى ولاية علّى فأمنوا خيراً لّكم وان تكفروا بولايته فان للهمافى السمٰوٰتِ وَمافى الارض۔ (اصول کافی ص ۲۶۷)

(۲۲) آیت ستعلمون من هو فى ضلال مبين یوں نازل ہوئی تھی "ستعلمون يا معشر المكذبين حيث انبأتكم رسالة ربى فى ولاية على عليه السلام والائمة من بعده من هو فى ضلالٍ مبين"

ستعلمون يا معشر المكذبين حيث انبأتكم رسالة ربى فى ولاية على عليه السلام والائمة من بعد ه من هو فى ضلالٍ مبين كذا نزلت

(اصول کافی ص۲۶۶)

(۲۳) جبرئیل علیہ السلام نے آیت ان كنتم فى ريب مما نزّلنا علىٰ عبدنا فأتوا بسورة من مّثله یوں نازل کی تھی، "ان كنتم فى ريب مما نزّلنا علىٰ عبدنا فى على فأتوا بسورة من مّثله "

نزل جبرئيل بهذه الأية على محمد صلى الله عليه وسلم واله هٰكذا

ان كنتم فى ريب مما نزّلنا علىٰ عبدنا فى علىّ فاتوا بسورة من مثله۔

(اصول کافی ۲۶۴)

(۲۴) جبرئیل نے یہ آیت یا ایّھا الذین اوتوا الکتاب اٰمنو بما نزّلنا اس طرح نازل کی تھی: ''یا ایّھا الذین اوتوا الکتاب اٰمنو بما نزّلنا فی علیؑ نوراً مبیناً''

نزل جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم بھذہ الاٰیۃ یاایّھاالذین اوتوا الکتاب اٰمنو بمانزّلنافی علّی نوراً مبیناً۔ (اصول کافی ۲۶۴)

(۲۵) حضرت علی جب قرآن لکھنے سے فارغ ہوئے تو اس کو لوگوں کے پاس لائے اور ان سے فرمایا، یہ اللہ کی کتاب ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی، میں نے اس کو دو لوحوں سے جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا اللہ کی کتاب تو یہ ہمارے پاس موجود ہے۔ ہمیں (آپ کے لائے ہوئے قرآن کی) حاجت نہیں (اس پر حضرت علی نے غصہ میں آ کر کہا، اب خدا کی قسم آج کے بعد تم اس کو کبھی نہیں دیکھو گے۔ میرے ذمہ تو صرف یہ تھا کہ جب میں نے اسے جمع کیا تو میں اس کو بتادوں تا کہ اسے پڑھو''

اخرج المصحف الذی کتبہ علی علیہ السلام الی الناس حین فرغ منہ و کتبہ فقال لھم ھذا کتاب اللہ عزّوجل کما انزل اللہ علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قد جمعتہٗ من اللوحین فقالوا ھوذا عندنا مصحف جامع فیہ القرآن لاحاجۃ لنا فیہ فقال اما واللہ ماترونہ بعد یومکم ھذا ابدانما کان علیّ ان اخبرکم حین جمعتہٗ لتقرؤہ۔ (اصول کافی ۶۷۱)

سوال (۷)

ان عمارا تقتله الفئة الباغية کیا اس حدیث سے حضرت معاویہؓ کا قاتل اور باغی ہونا (نعوذ باللہ) ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ شخص مذکور کا دعویٰ ہے کہ حضرت معاویہ کے لوگوں نے ہی حضرت عمار کا قتل کیا تھا جس پر دلیل یہ حدیث ہے۔

جواب (۷)

الفئۃ الباغیۃ والا اعتراض بھی حاسدین، مخالفین اور معاندین کا ایک اہم اعتراض رہا ہے۔ مختلف کتابوں میں اس کے سنجیدہ وعلمی جوابات دیئے جاتے رہے ہیں، لیکن معترضین نے کبھی ان کو انصاف کی نظر سے نہیں دیکھا۔

جس شخص کا مقصد ہی اعتراض کرنا ہو وہ کسی جواب سے مطمئن ہو بھی نہیں سکتا۔

بہر حال ان ہی جوابات میں سے ایک اطمینان بخش اور سنجیدہ جواب ہمارے رفیق مکرم جناب مولانا محمد معاویہ سعدی صاحب کا بھی ہے

چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ :

یہاں ایک مشہور حدیث کی وضاحت بھی ضروری ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد سندوں سے مروی ہے کہ آپ نے سیدنا حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہیں "الفئۃ الباغیۃ" قتل کرے گی، بعض طرق میں یہ اضافہ بھی ہے کہ "یہ تو انہیں جنت کی طرف

بلا رہے ہوں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف"۔

اس حدیث میں واضح اور صاف لفظوں میں اس جماعت کو" باغی جماعت" کہا گیا ہے جس کے ہاتھوں حضرت عمارؓ کی شہادت پیش آئے گی، اسی حدیث کی بنیاد پر جمہور اہل السنۃ والجماعۃ نے مشاجراتِ صحابہ میں سیدنا حضرت علیؓ کے موقف کو راجح قرار دیا ہے، اور حضرت امیر معاویہؓ کے اجتہاد کو خطا پر محمول کیا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ حضرتؓ کے اس اجتہاد اور اس خطا کی بحث، آپ کے اندر اجتہادی شان تسلیم کرنے کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف (۳۷۶۵) میں آپ کے تفقہ اور اجتہاد کے بارے میں، حضرت ابن عباسؓ کا اعتراف بھی موجود ہے، ورنہ ہر کس و ناکس کے اس طرح کے اختلاف کو" اجتہاد" پر نہیں محمول کیا جاتا، بلکہ ایسوں کے اختلاف بلکہ انحراف کا مبنی: عموماً کم علمی، بدفہمی اور خود پسندی وغیرہ بیماریاں ہوتی ہیں۔

بہر حال! چوں کہ اہلِ حق کے یہاں دیگر احادیث کی بناء پر یہ بات طے شدہ ہے کہ مجتہد خاطی معذور ہوتا ہے، بلکہ ایک اجر کے ذریعے ماُجور (مستحق اجر) بھی ہوتا ہے، اس لئے جب وہ طلبِ حق کی سعی، حسنِ نیت اور جذبۂ صالح کی بناء پر مورد اجر و ثواب ٹھہر رہا ہے، تو اس پر سب و شتم اور تنقید و تبصرہ کے کیا معنی؟ (مستفاد از: شرح النودی و فتح الباری)

"الباغیۃ" کی تشریح:

جہاں تک بات لفظِ" الباغیۃ" کی تشریح کی ہے تو اس کے سلسلے میں چند

نکات قابل توجہ ہیں:

(۱) یہاں لفظِ ''باغیہ'' طاعت امام سے عدول اور شقاق ونفاق کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ یہ وہ ''بغاوت'' ہے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم کی اس آیت میں ہے:

(وان طائفتان من المومنین اقتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ)

(الحجرات:۹)

(اگر اہل ایمان کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو تم لوگ دونوں کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر کوئی ایک جماعت دوسری پر شرعی لحاظ سے زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہی ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کرلے۔

یہ آیت انصار کے ایک آپسی مناقشے کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی، امام زمانہ سے بغاوت کے تناظر میں نہیں، معلوم ہوا کہ لفظِ ''بغاوت'' کبھی آپسی تنازعات میں ناحق پر اصرار کرنے والی جماعت کے لئے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔

(۲) پھر سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی مذکورہ بالا حدیث پیش کی گئی تھی، اور غالباً حضرت کو اس کا علم پہلے سے تھا بھی، مگر آپ کے ذہن میں اس کا مصداق وہ جماعت تھی جس نے ایک متفقہ امیر المومنین (سیدنا حضرت عثمانؓ) کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کرکے، ان کو شہید کیا تھا، اور پھر (یہود وروافض پر مشتمل) اہل فتنہ کا یہی سازشی گروہ، یکے بعد دیگرے جنگ جمل اور جنگِ صفین کا سبب بنا تھا، تو حضرت امیرؓ یہ سمجھ رہے تھے کہ اصل ''باغی گروپ''

تو وہ ہے جو ان حالات کا راست طور پر ذمہ دار ہے۔

اسی لئے جب آپ کے سامنے یہ حدیث پیش کی گئی تو آپ نے اپنے علم اور گمان ہی کی بنیاد پر یہ بات فرمائی تھی کہ عمار کو ہم نے کہاں قتل کیا ہے؟ ان کو تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو ان کو یہاں لے کر آئے ہیں۔ (مسند احمد: ۶۴۹۹)

البتہ بعد میں جمہور علماء نے حضرتؓ کے اس اجتہاد کو دیگر دلائل کی روشنی میں مرجوح سمجھا، اور سیدنا حضرت علیؓ کے موقف کو راجح قرار دیا، جیسا کہ اسی کی تائید مسلم شریف کی حدیث (۱/ ۳۴۳): ''اولی الطائفتین بالحق'' (حق کے زیادہ قریب) کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے، کہ حضرت علیؓ کی جماعت کو حق کے زیادہ قریب قرار دیا جا رہا ہے، مگر دوسری جماعت کو بھی باطل نہیں کہا جا رہا ہے۔

(۳) اور جہاں تک بات حدیث کے بعض طرق میں موجود اس زیادتی کی ہے: ''یدعوهم الی الجنة، ویدعونه الی النار'' (بخاری: ۴۴۷)، تو اس کے بارے میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں:

(الف) حضرت مولانا محمد نافع مدنی صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق یہ زیادتی ایک دوسری حدیث سے یہاں خلط اور مدرج ہو گئی ہے، دراصل یہاں دو حدیثیں الگ الگ ہیں:

مکہ مکرمہ میں کفارِ مکہ کے ظلم وستم کے زمانے میں کسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ پر رحم کھاتے ہوئے ان کی حمایت میں فرمایا تھا:

''مالهم ولعمار؟! یدعوهم الی الجنة، ویدعونه الی النار، وذاک داب الاشقیاء الفجار'' (فضائل الصحابۃ لاحمد: ۱۵۹۸)

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت، یا غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے، سیدنا عمار بن یاسرؓ دو دو اینٹیں ایک ساتھ ڈھو رہے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا تھا:

"ویح عمار، تقتله الفئة الباغية" (مسلم ۲۹۱۵)

تو راویٔ حدیث حضرت عکرمہؒ سے ان دونوں حدیثوں میں خلط ہو گیا، اور انہوں نے دونوں کو ایک ساتھ ملا کر بیان کر دیا، اس دعوی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ "تقتلک الفئة الباغية" والا مضمون تیس کے قریب صحابہؓ سے مروی ہے، مگر کسی بھی صحابی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں پائی جاتی، بظاہر اسی لئے امام مسلمؒ نے بھی اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

(ب) اور اگر بعینہ یہ حدیث ثابت مان بھی لی جائے تو اس کے بارے میں شارحِ بخاری حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

المراد بالدعاء الى الجنة: الدعاء الى سببها، وهو طاعة الامام، وكذلك كان عمار يدعوهم الى طاعة علي، وهو الامام واجب الطاعة اذ ذاك، وكانوا هم يدعون الى خلاف ذلك، لكنهم معذورون للتأويل الذي ظهر لهم... ، وكانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة، وهم مجتهدون، فلا لوم عليهم في اتباع ظنونهم (۱/۴۵۲)

(کہ یہاں "جنت کی طرف دعوت" دینے سے مراد: اس کے سبب، یعنی طاعت امام کی طرف بلانا ہے، جیسا کہ حضرت عمارؓ ان کو حضرت علیؓ کی طاعت کی طرف بلا رہے تھے، جو اس وقت اصل خلیفۂ برحق اور امام واجب

الطاعۃ تھے، جب کہ دوسری جانب کے حضرات اس کے خلاف کے داعی تھے، لیکن تاویل اور اجتہاد کی بناء پر وہ بھی معذور تھے......، کیوں کہ اپنے اجتہاد سے وہ بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم ہی ان کو جنت کی طرف بلا رہے ہیں، لہٰذا اس ظن واجتہاد کی وجہ سے ان پر کوئی طعن وتشنیع نہیں کی جائے گی۔

(۴) کسی بھی لفظ کا ترجمہ کرتے ہوئے، اور مراد ومفہوم متعین کرتے ہوئے یہ پہلو بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ وہ کس کے بارے میں کہا گیا ہے؟ اور کس نے کہا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں ''عصی'' اور ''غوی'' کے الفاظ کا اطلاق کیا ہے، کہیں ''ضالا'' کا لفظ آیا ہے، تمام مفسرین ومترجمین ایسے مواقع پر عصمتِ انبیاء کے لحاظ کے ساتھ ہی اس کی تفسیر وترجمانی کرتے ہیں۔

اسی طرح اگر حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی کوئی ایسا سخت لفظ وارِد ہو تو اس کی ترجمانی ان کے شایانِ شان کی جائے گی، مثلاً حضرت عمارؓ جس طائفے کے ہاتھوں شہید ہوئے اس میں بقول حافظ ابن حجرؒ صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی۔

انہی میں فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی تھے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لا چکے تھے، لہٰذا وکلا وعد اللہ الحسنی میں مذکور اول درجہ کے انعام کے مستحقین میں سے ہیں، پھر ترمذی (۳۸۴۴) وغیرہ میں ان کی منقبت میں بعض احادیث بھی وارِد ہوئی ہیں۔

ان ہی میں حضرت امیر معاویہؓ جیسے صحابی بھی ہیں، جو کاتبینِ وحی میں سے

ہیں، جو اسلام کے اولین بحری بیڑے کے قافلہ سالار بن کر، خاص بشارتِ نبوی کے مستحق ٹھہر چکے تھے، جنہوں نے آئندہ قیصر روم کے پایۂ تخت شہر قسطنطنیہ پر حملے کے لئے پہلا اسلامی لشکر تشکیل دے کر، ایک اور بشارت نبوی کا استحقاق بھی حاصل کیا۔ تو اگر خدانخواستہ از راہِ بشریت کچھ خطائیں تھیں بھی تو سب کی سب معاف ہو کر، معاملہ صاف ہو گیا۔ (حرمت صحابہ ص ۲۹)

سوال (۸)

کیا حدیث اصحابی کالنجوم محدثین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں جیسا کہ شخص مذکور کا کہنا ہے۔

جواب (۸)

یہ حدیث شریف اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم، درج ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔

میزان الاعتدال ۱۵۱۱، ۲۲۹۹۔ لسان المیزان لابن حجر ۲/۴۸۸، ۵۹۴۔ کشف الخفاء للعجلونی ۱/۱۴۷۔ اتحاف السادة المتقین ۲/۲۲۳۔ تلخیص الحبیر ۴/۱۹۰۔ الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ۹۴۔

کچھ لوگ صحیح روایات سے صرف نظر کر کے کمزور اور ضعیف حدیثوں کو پیش کر کے عام مسلمانوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب میں کوئی صحیح روایت وارد نہیں اور وہ معیار حق لائق اقتداء نہیں ہیں۔

بعض ناواقف مسلمان ان کے دھوکے اور فریب میں آ کر صحابہ کرامؓ کے متعلق بدگمانی میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں، مگر علم اور دینی شعور رکھنے والے مسلمان ان ہفوات و خرافات کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اس لئے کہ قرآنی آیات اور صحیح احادیث رسول میں صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب اس قدر کثرت سے مذکور ہیں کہ ان کا انکار کسی باشعور مسلمان

سے متصور نہیں ہوسکتا۔

حدیث شریف کی تقریباً ہر کتاب میں کتاب المناقب کے عنوان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مجموعی وانفرادی مناقب وفضائل ہیں۔

یہ حدیث مختلف کتب حدیث میں کئی صحابہ سے متعدد طرق سے مروی ہے، مثلاً حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ نقل کی گئی ہے، اگر کسی کو تفصیل مطلوب ہو تو ابن عدی کی ''الکامل'' بیہقی کی ''المدخل'' ابن عبد البر کی ''جامع بیان العلم وفضلہ'' خطیب بغدادی کی ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' اور ''الفقیہ والمتفقہ'' زیلعی کی ''الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف'' اور ابن حجر کی ''المطالب العالیہ'' اور ''اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ'' وغیرہ کتب حدیث کی مراجعت کرنی چاہئے۔

اس حدیث شریف کو رزین نے بھی ''تجرید الاصول'' میں ذکر کیا ہے اور رزین ہی کے حوالہ سے ابن الاثیر نے ''جامع الاصول'' میں اور صاحب مشکوٰۃ نے باب مناقب الصحابہ میں نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ابن الہمامؒ کے شاگرد مشہور محدث قاسم بن قطلوبغا حنفی (متوفی ۸۷۹ھ) اس حدیث کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ نفس مضمون کو دیگر احادیث کے مضامین سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔

وفی اسانیدھا مقال لکن یشد بعضھا بعضا

(اقامۃ الحجۃ لعبد الحی اللکنوی ص ۵۱)۔

علامہ حسن بن محمد صاغانی (متوفی ۶۵۰ھ) اور علامہ عبد الحی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کثرت طرق کی وجہ سے یہ حدیث درجۂ حسن کو پہونچ جاتی ہے۔

اس کے متن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق دو مضمون بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ایک تو حضرات صحابہ کرام کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ بالکل صحیح مضمون ہے چنانچہ مسلم شریف کی ایک روایت میں بھی وارد ہوا ہے:

النجوم أمنة للسماء... واصحابی أمنة لامتی

(۲) دوسرا مضمون ہر ہر صحابی کے ہادی ہونے اور لائق اقتداء ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ یہ مضمون بھی درست ہے اور مراد و مفہوم یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا باہم اختلاف ہوجائے تو اس وقت مختلف فریقوں میں سے جس کسی صحابی کی بھی اقتداء کرلی جائے تو وہ ہدایت ہی کا راستہ ہے۔

اس تفصیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ثابت ہے اور اس کو بے اثر کہنا روایت و درایت کے خلاف اور محدثین کے اصول اور اقوال کے منافی ہے۔

سوال (۹)

کیا قرآن پاک کی موجودہ ترتیب درست نہیں جیسا کہ اس شخص کا کہنا ہے کیا قرآن کے موجودہ پاروں کی ترتیب کسی مکتب کے ملانے دی تھی۔

جواب (۹)

ترتیب قرآن کا اعتراض بھی دیگر اعتراضات کی طرح اتنا لچر، لغو اور جہالت وحماقت پر مبنی ہے کہ اس پر کوئی پڑھا لکھا اور سمجھ دار شخص ہرگز اعتراض نہیں کرسکتا۔

قرآن کریم کی موجودہ ترتیب بھی حضرات خلفاء راشدین ہی کی دی ہوئی ہے۔ جس کو ان حضرات نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک کے مطابق ہی ترتیب دیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں اس پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے، اور ثابت فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب حضرات خلفاء راشدین کے حکم ومرضی کے عین مطابق ہوئی ہے۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں :

الدیر عاقولی اپنی کتاب الفوائد میں کہتا ہے ''حدثنا ابراہیم بن بشار۔ حدثنا سفیان بن عیینۃ عن الزہری عن عبید اور عبید زید بن ثابتؓ سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور اس

وقت تک قرآن کسی چیز میں جمع نہیں کیا گیا تھا، الخطابی کا قول ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو مصحف میں اس واسطے جمع نہیں فرمایا کہ آپ کو اس کے بعض احکام یا تلاوت کے نسخ کرنے والے حکم کے نزول کا انتظار باقی تھا۔ مگر جب سرورِ عالم کی وفات کے باعث قرآن کا نزول ختم ہو گیا تو خدا نے اپنے اس سچے وعدہ کو وفاء کرنے کے لئے جو ان سے اس امت کی حفاظت کے متعلق فرمایا تھا خلفائے راشدین کے دل میں یہ بات (قرآن کو جمع کرنے کی خواہش) ڈالی پھر اس عظیم الشان کام کا آغاز عمرؓ کے مشورہ کے مطابق ابوبکرؓ کے ہاتھوں سے ہوا“۔ مگر وہ روایت جو مسلم نے ابی سعیدؓ کی حدیث سے کی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لاتکتبوا عنی شیئا غیر القرآن“ (میری باتوں میں سے قرآن کے سوا اور کسی چیز کو نہ لکھو)

وہ اس بات کی منافی نہیں ہوتی کہ ابوبکرؓ نے پہلے قرآن کو جمع کیا تھا کیونکہ یہاں پر مخصوص کتابت کی نسبت کلام کیا جاتا ہے جو ایک خاص طور سے لکھی گئی ورنہ یوں تو قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھ لیا گیا تھا مگر وہ سب ایک ہی جگہ جمع اور سورتوں کی ترتیب کے ساتھ ہرگز نہ تھا، اور حاکم مستدرک میں بیان کرتا ہے کہ ”قرآن تین مرتبہ جمع کیا گیا، بار اول رسول اللہ صلی علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں جمع ہوا تھا۔ پھر اس نے ایک سند پر جو شیخین کی شرط سے مستند مانی گئی ہے زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ زیدؓ نے کہا:

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن کو مختلف پرچوں سے

مرتب کیا کرتے تھے۔

(کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع)

بیہقی کا قول ہے ''اس حدیث سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ متفرق نازل ہونے والی آیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے ترتیب واران کی سورتوں میں جمع کرنا مراد ہو۔ دوسری مرتبہ قرآن کے جمع اور مرتب کرنے کا اہم کام ابوبکرؓ کے زمانہ میں اوران کے روبرو ہوا بخاری نے اپنی صحیح میں زید بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ ''ابوبکرؓ'' کو جنگ یمامہ میں صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اسی وقت عمرؓ بھی آپ کے پاس آئے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ عمر نے میرے پاس آ کر کہا کہ معرکہ یمامہ میں بہت سے قاریانِ قرآن کریم مقتول ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ آیندہ معرکوں میں بھی وہ مقتول ہوتے جائیں گے اور اس طرح بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔ میری رائے ہے کہ تم قرآن کے جمع کئے جانے کا حکم دو۔ میں نے عمر کو جواب دیا: جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کروں؟ عمرؓ نے کہا ''واللہ یہ بات بہتر ہے'' غرض کہ وہ مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ خداوند کریم نے میرا دل کھول دیا اور میں نے بھی اس بارہ میں وہی رائے قائم کر لی جو عمرؓ نے قائم کی تھی۔ زیدؓ کہتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا تو ایک سمجھ دار نوجوان ہے اور ہم تجھ کو متہم نہیں کرتے اور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی بھی تھا اس لئے اب قرآن کی تفتیش اور تحقیق کر کے اسے جمع کر لے۔ زیدؓ کہتے ہیں۔ واللہ مجھ کو ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ

پر اتنی گراں نہ ہوتی جس قدر قرآن کے جمع کرنے کا حکم مجھ پر شاق گزرا، اور میں نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے کہا تم دونوں صاحب وہ کام کس طرح کرتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا واللہ یہ بات بہتر ہے اور پھر وہ برابر مجھ سے اس بارہ میں بار بار کہتے رہے تا آں کہ خدا نے میرا دل بھی اسی بات کے لئے کھول دیا جس بات کے واسطے ابوبکر و عمرؓ کا دل کھولا تھا۔ پھر تو میں نے قرآن کی تلاش اور جستجو کا آغاز کر دیا۔ اور اسے کھجور کی شاخوں اور سفید پتھروں کے چھوٹے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا اور میں نے سورہ التوبہ کی خاتمہ کی آیتیں "لقد جاء کم رسول والی آیات صرف ابی خزیمہ انصاریؓ کے پاس پائیں اور ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ مل سکیں۔

وہ منقول صحیفے ابوبکرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ انھوں نے وفات پائی تو اب عمرؓ نے ان کی محافظت کی اور عمرؓ کا انتقال ہونے کے بعد وہ صحائف بجنسہ بی بی حفصہ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہے۔

اور ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں عبد خیر سے سند حسن کے ساتھ روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ "مصاحف کے بارہ میں سب سے زائد اجرابوبکرؓ کو حاصل ہوگا خدا ابوبکرؓ پر رحمت کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا، لیکن ابن ابی داؤد ہی نے ابن سیرین کے طریق سے یہ بھی روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا علیؓ فرماتے تھے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میں نے

اپنے دل میں اس بات کا عہد کرلیا کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کرلوں اس وقت تک بجز نماز جمعہ کے اور کسی کام کے لئے اپنی رداء (چادر) نہ اوڑھوں گا چنانچہ میں نے قرآن کو جمع کرلیا۔

ابن حجر کا قول ہے یہ اثر مقطوع ہونے کی وجہ سے کمزور ہے اور اگر اس کو صحیح بھی مانا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؓ کی مراد قرآن کو جمع کرنے سے یہ تھی کہ وہ اسے اپنے سینہ میں محفوظ بناتے تھے یعنی حفظ کررہے تھے۔ اور عبد خیر کی رایت علیؓ سے جو پہلے گزر چکی ہے وہ زیادہ صحیح ہونے کے لحاظ سے قابل اعتماد ہے میں کہتا ہوں ایک دوسرے طریق سے جس کو ابن الضریس نے اپنی کتاب فضائل میں روایت کیا ہے یوں وارد ہوا ہے حدثنا بشر بن موسی حدثنا ہودۃ بن خلیفہ حدثنا عون عن محمد بن سیرین عن عکرمہ عکرمہ نے کہا ''ابوبکرؓ سے بیعت ہوجانے کے بعد علیؓ اپنے گھر میں بیٹھ رہے ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ علی بن ابی طالبؓ نے تمہاری بیعت کو ناپسند کیا ہے۔ ابوبکر نے علی کو بلوا بھیجا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تم کو میری بیعت ناگوار گزری ہے؟ علیؓ نے جواب دیا نہیں واللہ ایسی بات ہرگز نہیں ابوبکرؓ نے دریافت کیا'' پھر تم میرے پاس آنے سے کیوں بیٹھ رہے؟ علیؓ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ کتاب اللہ میں زیادتی کی جا رہی ہے اس لئے اپنے دل میں کہا کہ جب تک اسے جمع نہ کرلوں اس وقت تک بجز نماز کے اور کسی کام کے لئے اپنی چادر نہ اوڑھوں'' یہ سن کر ابوبکرؓ بولے یہ بہت اچھی بات تمہارے خیال میں آئی ہے۔ محمد بن سیرین کا قول ہے پھر میں نے عکرمہ سے کہا کیا صحابہ نے قرآن کی ترتیب اس کے نزول کے مطابق یوں ہی

کی ہے کہ جو پہلے نازل ہوا اسے پہلے اور اس کے بعد نازل ہونے والے کو اس کے بعد رکھا؟ عکرمہ نے جواب دیا اگر تمام انسان اور جنات ایک جا اور فراہم ہو کر اسے اس طرح مرتب کرنا چاہیں تو بھی نہ کر سکیں گے۔ اور اسی روایت کو ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں دوسری وجہ پر ابن سیرین ہی سے بیان کیا ہے اور اس میں یہ ذکر آیا ہے کہ علیؓ نے اپنے مصحف میں ناسخ و منسوخ کو درج کیا تھا، اور ابن سیرین نے کہا کہ میں نے اس کتاب کو طلب کرنے کے لئے مدینہ کے لوگوں سے خط و کتابت کی لیکن وہ دستیاب نہ ہو سکی۔ اور ابن ابی داؤد نے حسن کے طریق سے روایت کی کہ عمرؓ نے کتاب اللہ کی کسی آیت کو دریافت کیا تو ان سے کہا گیا کہ وہ آیت فلاں شخص کو یاد تھی جو کہ معرکۂ یمامہ میں مقتول ہو گیا، یہ سن کر عمرؓ نے کہا انا للہ اور انہوں نے قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا، پس وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کو مصحف میں جمع کیا۔ اس حدیث کے اسناد منقطع ہیں اور اس کے راوی نے اپنے قول وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کو جمع کیا سے یہ مراد لی ہے کہ انہوں نے قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا، میں کہتا ہوں قرآن کو سب سے پہلے جمع کرنے والے شخص کے بارہ میں جو ایک عجیب و غریب روایت آئی ہے اسے ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں کہمس کے طریق پر ابن بریدہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا سب سے پہلا شخص جس نے قرآن کو مصحف میں فراہم کیا وہ سالم ابی حذیفہ کا مولی (غلام آزاد کردہ) تھا اور اس نے قسم کھالی تھی کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لے گا اس وقت تک چادر نہ اوڑھے گا (یعنی گھر سے باہر نہ نکلے گا کیونکہ چادر اسی حالت میں اوڑھی جاتی ہے) چنانچہ اس نے

قرآن کو جمع کر لیا پھر لوگوں نے اس امر میں رائے زنی شروع کی کہ اس کا نام کیا رکھیں کسی نے کہا سفر نام رکھو مگر کہا گیا کہ یہ یہودیوں کی کتاب کا نام ہے اس لئے یہ ناپسند ہوا اور پھر کسی نے کہا میں نے اسی کی مانند کتاب کو حبشہ میں مصحف کہتے سنا ہے چنانچہ اس بات پر سب کا اتفاق رائے ہو گیا اور مجموعہ قرآن کا نام مصحف رکھ دیا گیا، اس روایت کے اسناد بھی منقطع ہیں اور یہ اس بات پر محمول ہے کہ سالم بھی ابوبکر کے حکم سے قرآن کو جمع کرنے والوں میں ایک کارکن شخص تھے اور ابن ابی داؤد نے یحییٰ بن عبدالرحمن بن طالب کے طریق سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا عمرؓ نے (مسجد میں) آ کر کہا جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی قرآن کی تعلیم حاصل کی ہو وہ آ کر اپنے یاد کردہ قرآن کو سنائے اور لکھنے والے اشخاص اس کو تختیوں اور کھجور کی شاخوں کے ڈنٹھلوں پر لکھتے جاتے تھے، اور عمرؓ کسی شخص سے قرآن کا کوئی حصہ اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے تھے جب تک وہ آدمی اپنے دو گواہ نہ لائے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زید بن ثابتؓ قرآن کو محض لکھا ہوا پانے ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی شہادت ان لوگوں سے بھی بہم پہنچا لیتے جنہوں نے اسے سن کر یاد کیا تھا اور اس کے علاوہ خود زیدؓ حافظ قرآن تھے، غرض کہ قرآنِ مکتوب کے موجود پانے اور خود حافظ ہونے کے باوجود ان کا دو شہادتوں کو بھی بہم پہنچا کر اسے مصحف میں تحریر کرنا حد درجہ کی احتیاط تھی، نیز ابن ابی داؤد ہی ہشام بن عروہ کے طریق پر اس کے باپ عروہ سے راوی ہے کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ اور زید سے کہا تم دونوں مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ پھر اس کے بعد جو شخص تمہارے پاس کتاب اللہ کا کوئی حصہ مع دو گواہوں

کے لائے اسے لکھ لو۔ اس حدیث کے تمام راوی معتبر ہیں اگرچہ یہ روایت منقطع ہے ابن حجر کا قول ہے دو گواہوں سے مراد حفظ اور کتابت تھی، (یعنی قرآن اس کو یاد بھی ہو اور اس کے پاس لکھا ہوا بھی ہو) اور سخاوی اپنی کتاب جمال القراء میں کہتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ لکھا ہوا قرآن خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھا گیا ہے یا یہ مقصود ہے کہ وہ اس قرأت کی نسبت شہادت دیں کہ یہ انہی وجوہ میں سے ہے جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے۔ ابوشامۃ کا قول ہے" اور ان کی (صحابہ کی) غرض یہ تھی کہ قرآن نہ لکھا جائے مگر اسی اصل سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو تحریر میں آیا ہے نہ کہ محض یادداشت پر اعتماد کر کے لکھ لیا جائے اسی وجہ سے زیدؓ نے سورۃ التوبہ کے آخری حصہ کی نسبت کہا ہے کہ "میں نے اسے ابوخزیمہ انصاری کے سوا کسی اور کے پاس نہیں پایا، یعنی اس کو لکھا ہوا صرف انہیں کے پاس پایا کیونکہ زیدؓ محض یادداشت پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ کتابت کو بھی دیکھنا چاہتے تھے" مگر میں کہتا ہوں کہ شہادت لینے سے مراد یہ ہے کہ عمرؓ اور زیدؓ دونوں اس بات کی شہادت بہم پہنچاتے تھے کہ جو قرآن کسی نے انہیں سنایا ہے آیا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے سال وفات میں پیش ہو چکا ہے یا نہیں؟ اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا سب سے پہلے قرآن کو ابوبکرؓ نے جمع کیا اور زید بن ثابتؓ نے اسے لکھا لوگ زیدؓ کے پاس قرآن کو لاتے تھے اور وہ بغیر دو معتبر گواہ لئے ہوئے اسے لکھتے نہ تھے اور سورۃ براۃ کا خاتمہ محض ابوخزیمہ بن ثابت کے پاس ملا تو ابوبکرؓ نے کہا اس کو لکھ لو کیوں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوخزیمہ کی شہادت دو گواہوں کے برابر بنائی ہے چنانچہ زیدؓ نے اسے لکھ لیا مگر عمرؓ نے آیت رجم پیش کی تو اسے نہیں لکھا کیونکہ اس بارہ میں تنہا عمرؓ کے سوا اور کوئی شہادت بہم نہیں پہونچی۔ حارث المحاسبی اپنی کتاب فہم السنن میں بیان کرتا ہے کہ قرآن کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے لیکن وہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا گیا تھا متفرق پرچوں، اونٹ کے شانہ کی ہڈیوں اور کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں پر لکھا ہوا تھا اور ابوبکرؓ نے صرف اس کے نقل کرنے اور اکٹھا کر لینے کا حکم دیا اور یہ کارروائی بمنزلہ اس بات کے تھی کہ کچھ اوراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پائے گئے جن میں قرآن منتشر تھا پھر ان کو کسی جمع کرنے والے نے اکٹھا کر کے ایک ڈورے سے باندھ دیا تا کہ ان میں سے کوئی ٹکڑا ضائع نہ ہو جائے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ پرچوں کے رکھنے والوں اور لوگوں کے سینوں (حافظہ) پر کس طرح اعتماد کر لیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ وہ لوگ ایسی معجز تالیف اور معروف نظم کا اظہار کرتے تھے جس کی تلاوت کرتے ہوئے بیس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے آئے تھے اور اس لحاظ سے یہ خوف بالکل نہ تھا کہ اس میں کوئی خارجی کلام ملا دیا جائے گا، ہاں ڈر اس بات کا تھا کہ مبادا اس کے صفحوں میں سے کوئی صفحہ ضائع ہو جائے اور زید بن ثابتؓ کی حدیث میں پہلے یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ انہوں نے قرآن کو کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے جمع کیا اور ایک روایت میں چمڑے کے ٹکڑوں سے دوسری میں شانہ کی ہڈیوں سے تیسری میں پسلی کی ہڈیوں سے اور چوتھی

روایت میں اونٹ کی کاٹھیوں کی لکڑیوں سے قرآن کا نقل کیا جانا بھی آیا ہے، روایت کے الفاظ میں ''لخاف'' کا لفظ ''لخفہ'' کی جمع ہے جو باریک پتھر کے ٹکڑے کو کہتے ہیں اور خطابی کا قول ہے کہ ''لخفہ'' پتھر کی پتلی پٹیوں کو کہا جاتا ہے ،اور ''رقاع'' کا لفظ ''رقعہ'' کی جمع ہے جو کھال پتلی جھلی، پتے یا کاغذ کے ٹکڑے ہوتے تھے، اور اکتاف ''کتف'' کی جمع ہے یہ اونٹ یا بکری کے شانہ کی چوڑی ہڈی ہوتی تھی جس پر خشک ہونے کے بعد لکھا کرتے تھے، اور اقتاب لفظ قتب کے جمع ہے جو اونٹ کی کاٹھی کو کہتے ہیں اور ابن وہب کی کتاب موطاء میں مالک سے بواسطۂ ابن شہاب سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ''ابو بکرؓ نے قرآن کو ''قراطیس'' میں جمع کیا اور انہوں نے اس بارہ میں زید بن ثابتؓ سے دریافت کیا تھا تو زیدؓ نے ان کو مدد دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے عمرؓ کی مدد سے یہ کام انجام دیا اور موسیٰ ابن عقبہ کی کتاب المغازی میں ابن شہاب سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا جس وقت جنگ یمامہ میں مسلمانوں کا بہت کچھ نقصان جان ہوا تو ابو بکر نہایت پریشان ہوئے اور وہ ڈرے کہ کہیں صحابہ کی شہادت سے قرآن کا کوئی حصہ تلف نہ ہو جائے پھر سب لوگ جو کچھ قرآن ان کے پاس تھا یا انہیں یاد تھا لے کر آنے لگے یہاں تک کہ ابو بکرؓ کے زمانہ میں وہ اوراق میں جمع کر لیا گیا، اس لحاظ سے ابو بکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کو مصحف میں جمع کیا، ابن حجر کا قول ہے اور عمارۃ بن غزیۃ کی روایت میں آیا ہے کہ زید بن ثابتؓ نے کہا پھر مجھ کو ابو بکرؓ نے حکم دیا اور میں نے قرآن کو کھال کے ٹکڑوں اور کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں میں لکھا، پھر جس وقت

ابو بکرؓ وفات پاگئے اور عمرؓ کا زمانہ آیا تو پھر میں نے قرآن کو ایک ہی صحیفہ (ورق) میں لکھا اور یہ (قرآن مکتوب) عمرؓ کے پاس موجود رہا۔ ابن حجر کہتا ہے اور زیادہ صحیح پہلی ہی بات ہے اس لئے کہ کھال کے ٹکڑوں اور شاخ خرما کے ڈنٹھلوں پر تو اس سے پہلے ہی قرآن لکھا ہوا تھا جب کہ وہ ابوبکرؓ کے زمانہ میں جمع کیا گیا تھا، پھر ان کے عہد میں ہی قرآن کو اوراق میں جمع کیا گیا جس پر مترادف صحیح حدیثیں دلالت کررہی ہیں۔

حاکم کا بیان ہے اور تیسری مرتبہ قرآن کا جمع کیا جانا یہ تھا کہ عثمانؓ کے عہد میں سورتوں کی ترتیب ہوئی، بخاری نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن الیمانؓ عثمانؓ کے پاس آئے اور آرمینیہ اور آذربائجان کے فتوحات میں اہل شام عراق والوں کے ساتھ مل کر معرکہ آرائی میں شریک تھے حذیفہؓ کو ان دونوں ممالک کے مسلمانوں کا قرأت میں اختلاف رکھنا سخت پریشان بنا چکا تھا اس لئے انہوں نے عثمانؓ سے کہا تم امت کی اس بات سے پہلے ہی خبر لے لو جب کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح باہم اختلاف رکھنے والی بن جائے۔ عثمانؓ نے یہ بات سن کر بی بی حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ جو صحیفے آپ کے پاس امانتاً رکھے ہیں انہیں بھیج دیجئے تا کہ میں ان کو مصحفوں میں نقل کرانے کے بعد پھر آپ کے پاس واپس ارسال کردوں۔ بی بی صاحبہؓ نے وہ صحائف عثمانؓ کو بھجوا دئے اور عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ عبداللہ بن زبیرؓ سعید بن العاص اور عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام کو ان کے نقل کرنے پر مامور کیا اور تینوں قرشی صاحبوں سے کہا کہ جہاں کہیں قرآن کے تلفظ میں تمہارے اور زید بن ثابتؓ کے مابین

اختلاف آ پڑے وہاں اس لفظ کو خاص قریش ہی کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ ان چاروں صاحبوں نے مل کر عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کر دی، اور جب وہ ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر کے لکھ چکے تو عثمانؓ نے وہ صحائف بدستور بی بی حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیے اور اپنے لکھوائے ہوئے مصحفون میں سے ایک ایک مصحف ممالک اسلامیہ کے ہر ایک گوشہ میں ارسال کر دیا اور حکم دیا کہ اس مصحف کے سوا اور جس قدر صحیفے یا مصحف پہلے کے موجود ہوں ان کو سوخت کر دیا جائے، زیدؓ کہتے ہیں جس وقت ہم نے مصحف کو لکھا تو سورہ الاحزاب کی ایک آیت ہمیں نہیں ملی جس کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا کرتا تھا، پھر ہم نے اس آیت کو خزیمۃ بن ثابت الانصاریؓ کے پاس پایا

"من المؤمنین رجال صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ" الایۃ

چنانچہ ہم نے اس آیت کو اس کی سورۃ کے اندر اپنے مصحف میں شامل کر دیا۔ ابن حجر کا قول ہے یہ کارروائی ۲۵ھ میں ہوئی تھی اور بعض ایسے لوگ جن کو ہم نے پایا ہے انہوں نے بھول کر یہ بات کہی کہ اس بات کا وقوع ۳۰ھ کے حدود میں ہوا تھا مگر انہوں نے اپنے اس قول کا کوئی اسناد بیان نہیں کیا ابن اشتہ نے ایوب کے طریق پر ابی قلابہؓ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا مجھ سے انس بن مالک نامی بنی عامر کے ایک شخص نے بیان کیا کہ عثمانؓ کے عہد میں قرآن کے اندر اس قدر اختلاف پڑ گیا جس کی وجہ سے پڑھنے والے بچوں اور معلم لوگوں کے مابین تلوار چل گئی عثمانؓ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا، لوگ میرے سامنے

ہی قرآن کو جھٹلانے اور اس میں غلطی کرنے لگے تو غالباً جو مجھ سے دور ہونگے وہ ان کی نسبت سے کہیں بڑھ کر جھٹلاتے اور غلطیاں کرتے ہونگے، اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مجتمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام (قرآن) لکھو، چنانچہ تمام صحابہ نے متفق ہو کر قرآن لکھنا شروع کیا، جس وقت کسی آیۃ کے بارہ میں ان کے باہم اختلاف اور جھگڑا ہو پڑتا تو وہ کہتے، یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں شخص کو پڑھائی تھی، پھر اس کو بلوایا جاتا حالانکہ وہ شخص مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ہوتا تھا اور جب وہ آجاتا تو اس سے دریافت کرتے کہ فلاں آیت کی قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں کس طرح پر سنائی تھی وہ شخص کہتا ''یوں'' اس وقت اس آیت کو لکھ لیتے اور پہلے سے اس کی جگہ خالی رہنے دیتے تھے۔

اور ابن ابی داؤد نے محمد بن سیرین کے طریق پر کثیر بن افلح سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا جس وقت عثمانؓ نے مصحفوں کے لکھوانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس غرض سے بارہ مشہور آدمی قریش اور انصار دونوں قبائل کے جمع کئے پھر قرآن کے صحیفوں کا وہ صندوق منگوایا جو عمرؓ کے گھر میں تھا، صندوق مذکور آ گیا تو عثمانؓ نے ان لکھنے والوں کی نگرانی اپنے ذمہ لی اور نقل کرنے والوں کا انداز یہ تھا کہ جب وہ کسی بات میں باہم جھگڑ پڑتے تو اسے پیچھے ڈال دیتے (یعنی اس وقت لکھتے ہی نہ تھے) محمد بن سیرین کا قول ہے ''وہ لوگ اس کی کتابت میں اس لئے تاخیر کر دیتے تھے کہ کسی ایسے شخص کا انتظار دیکھیں جو ان میں سب کی نسبت کلام اللہ کے آخری دور سے قریب تر زمانہ رکھتا ہے اور پھر اس

کے بیان کے مطابق جو کچھ لکھنا رہ گیا ہے اسے لکھیں۔ ابن ابی داؤد ہی صحیح سند کے ساتھ سوید بن غفلہ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں بجز کلمۂ خیر کے اور کچھ مت کہو کیوں کہ واللہ انہوں نے مصاحف میں جو کچھ بھی تغیر کیا ہے وہ ہماری ایک جماعت کثیر کی عام رائے سے کیا ہے، انہوں نے ہم سے کہا تم لوگ قرآن کی قرأت کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ مجھے خبر ملی ہے کہ بعض اشخاص دوسروں سے کہتے ہیں۔ ''میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے'' اور یہ بات قریب قریب کفر کے ہے۔

ہم لوگوں نے کہا پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ عثمانؓ نے جواب دیا مجھ کو تو یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا جائے تا کہ پھر افتراق اور اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔ اور ہم لوگوں نے کہا، تمہاری رائے بہت اچھی ہے۔

ابن التین اور چند دیگر علماء کا قول ہے ''ابوبکرؓ اور عثمانؓ کی قرآن کو جمع کرنے میں یہ فرق ہے کہ ابوبکرؓ کا جمع کرانا اس خوف سے تھا کہ مبادا حاملانِ قرآن کی موت کے ساتھ قرآن کا بھی کوئی حصہ جاتا رہے کیوں کہ اس وقت تمام قرآن ایک ہی جگہ اکٹھا نہیں تھا چنانچہ ابوبکرؓ نے قرآن کو صحیفوں میں اس ترتیب سے جمع کیا کہ ہر ایک سورۃ کی آیتیں حسب بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یکے بعد دیگرے درج کر دیں اور عثمانؓ کے قرآن کو جمع کرنے کی یہ شکل ہوئی کہ جس وقت وجوہ قرأت میں بکثرت اختلاف پھیل گیا اور یہاں تک نوبت آ گئی کہ لوگوں نے قرآن کو اپنی اپنی زبانوں میں پڑھنا شروع کیا، اور یہ ظاہر ہے کہ

عرب کی زبانیں بہت وسیع ہیں، تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک زبان کے لوگ دوسری زبان والوں کو برسرراہ غلط بتانے لگے اور اس بارہ میں سخت مشکلات پیش آنے اور بات بڑھ جانے کا خوف پیدا ہوگیا، اس لئے عثمانؓ نے قرآن کے صحف کو ایک ہی مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا اور تمام عرب کی زبانوں کو چھوڑ کر محض قبیلہ قریش کی زبان پر اکتفا کر لی، اس بات کے لئے عثمانؓ دلیل یہ لائے کہ قرآن کا نزول دراصل قریش ہی کی زبان میں ہوا ہے، اگرچہ ابتداء میں دقت اور مشقت دور کرنے کے لئے اس کی قرأت غیر زبانوں میں بھی کر لینے کی گنجائش دے دی گئی تھی لیکن اب عثمانؓ کی رائے میں وہ ضرورت مٹ چکی تھی لہٰذا انہوں نے قرآن کی قرأت کا انحصار محض ایک ہی زبان میں کر دیا۔

قاضی ابوبکر اپنی کتاب الانتصار میں کہتے ہیں ''عثمانؓ نے ابوبکرؓ کی طرح قرآن کو ''مابین اللوحین'' ہی جمع کر دینے کا قصد نہیں کیا بلکہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو ان معروف اور ثابت قرأتوں پر جمع کر دینے کا ارادہ کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول چلی آ رہی تھیں اور جس قدر قرأتیں ان کے سوا پیدا ہوگئی تھیں ان کو مٹا دینا چاہا، نیز انہوں نے مسلمانوں کو ایک ایسا مصحف دیا جس میں کوئی تقدیم، تاخیر اور تاویل نہیں، وہ تنزیل کے ساتھ ثبت کیا گیا ہے۔ اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی ہے وہ مصحف اپنے رسم کی مثبت دلیل کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اس کی قرأت اور حفظ کے مفروض کا لحاظ کیا گیا ہے، تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں فساد اور شبہ میں نہ پڑسکیں اور یہ خوف بالکل مٹ جائے''

اور حارث المحاسبی کا قول ہے۔ "لوگوں میں یہ بات مشہور ہو رہی ہے کہ قرآن کو عثمانؓ نے جمع کیا مگر دراصل یہ بات ٹھیک نہیں، عثمانؓ نے تو صرف یہ کیا کہ اپنے اور اپنے پاس موجود ہونے والے مہاجرین و انصار کے باہمی اتفاق رائے سے عام لوگوں کو ایک ہی وجہ سے قرأت کرنے پر آمادہ بنایا، کیونکہ ان کو اہل عراق اور اہل شام کے قرأتوں کے حروف میں باہم اختلاف رکھنے کے باعث فتنہ کا خوف پیدا ہو گیا تھا، ورنہ عثمانؓ کے اس عمل سے پہلے جس قدر مصاحف تھے وہ تمام ایسی قرأت کی صورتوں سے مطابق تھے جن پر حروف سبعہ کا اطلاق ہوتا تھا، اور ان پر قرآن کا نزول ہوا تھا اور یہ بات کہ قرآن جملۃ سب سے پہلے کس نے جمع کیا؟ وہ ابوبکر الصدیقؓ تھے۔ اور علیؓ کا قول ہے کہ اگر میں حکمران ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی عمل کرتا جو عثمانؓ نے کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں جتنے مصاحف ارسال کئے تھے ان کی تعداد میں اختلاف کیا گیا ہے مشہور قول تو یہ ہے کہ وہ سب پانچ مصحف تھے، اور ابن ابی داؤد نے حمزۃ الزیات کے طریق سے یہ روایت کی ہے کہ عثمانؓ نے دیگر ممالک اسلام میں چار مصحف بھیجے تھے، ابن ابی داؤد کا بیان ہے "میں نے ابی حاتم سجستانی سے سنا وہ کہتا تھا کہ جملہ سات مصاحف لکھے گئے تھے جن میں سے ایک ایک مصحف مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کو ارسال کیا گیا اور باقی ماندہ ایک مصحف مدینہ میں محفوظ رکھا گیا۔

(الاتقان فی علوم القرآن ص ۱۶۲)

قرآن کریم کی موجودہ ترتیب پر اس سے پہلے بعض مستشرقین نے بھی

اعتراض کیا ہے اور یہ ان کا ایک قدیم اعتراض ہے، بہت سے حضرات علماء کرام نے اس کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ ترتیب کو معترضین کے وحی کے خلاف سمجھنے کی وجہ اسے ابتدائی زمانہ میں کتابی شکل میں لکھنے کے بجائے متفرق چیزوں پر لکھا جانا ہے، چنانچہ راڈویل نے اپنے ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موجودہ ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب متفرق تحریریں جمع کیں تو وہ انہیں جس ترتیب سے ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے چلے گئے، لہٰذا اس میں کسی تاریخی یا معنوی ترتیب کا لحاظ نہیں رہ سکا۔

حالانکہ یہ تصور محض خیالی، ناواقفیت پر مبنی اور واضح دلائل کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ آیات قرآنی کی ترتیب باتفاق وحی سے ثابت ہے، حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بھی بتادیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھی جائے گی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کو اسی ترتیب سے یاد کیا تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت زیدؓ کو جس ترتیب سے آیتیں ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے گئے، کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو موجودہ قرآن میں سب سے آخری آیت "من المؤمنین رجال صدقوا الخ" ہونی چاہئے تھی، کیوں کہ حضرت زیدؓ کو یہ آیت سب سے آخر میں ملی حالاں کہ یہ آیت سورۂ احزاب

میں درج ہے، اس سے صاف طور پر واضح ہے کہ حضرت زید اور ان کے رفقاء کے سامنے جب کوئی آیت لائی جاتی تھی تو وہ اس کو اس مقام پر لکھتے تھے جس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا۔

البتہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اہل علم کی دو رائیں ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جو بھی بذریعہ وحی بتائی گئی ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسے حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے متعین کیا ہے۔

زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب تو بذریعہ وحی ہی بتادی گئی تھی البتہ بعض سورتوں مثلاً سورۂ توبہ کے بارے میں کوئی صریح ہدایت موجود نہ تھی، اس لئے صحابہؓ نے اسے اپنے اجتہاد سے سورۂ انفال کے بعد رکھا۔ (علوم القرآن ص ۷۵)

سوال (۱۰)

کیا حضرت عثمانؓ دوسروں کے دباؤ میں فیصلے لیتے تھے جیسا کہ شخص مذکور کا ماننا ہے اور اس قسم کا اعتقاد رکھنے والے شخص کے سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے۔

جواب (۱۰)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام میں جو فضیلت اور عظمت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے وہ ''السابقون الاولون'' میں تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہؓ کے بعد وہ چوتھے شخص تھے، جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ ذوالنورین تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو ان کے نکاح میں دیا اور فرمایا (جب حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا) ''اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو انہیں یکے بعد عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔'' وہ غنی تھے کہ انہوں نے اپنی ساری دولت کو دین اور ملت کی نذر کر دیا۔ اور سخت احتیاج اور ضرورت کے وقت ملت اسلامیہ کی کشتی کی آبیاری کی۔ ان ہی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بیعۃ الرضوان'' لی۔ انہیں کاتب وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کو مسجد الحرام کی توسیع کرانے کی سعادت میسر آئی۔ انہوں نے تمام عالم اسلام کو ایک مصحف اور قرأت پر جمع کیا اور جامع القرآن کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کی

سیرت کے غیر معمولی اوصاف کے پیش نظر امت نے ان کے لئے" کامل الحیاء والایمان" کے الفاظ استعمال کیے۔ ان کے عہد کی فتوحات تاریخ اسلام کا ایک شاندار باب ہے۔ انہوں نے آرمینیہ، آذربائیجان، ایشیائے کوچک، ترکستان، کابل، سندھ، قبرص اور اسپین وغیرہ میں عربوں کے سیاسی اقتدار کے لئے راہیں ہموار کردی تھیں۔ ان ہی کے زمانے میں بحری طاقت منظم ہوئی۔

زندگی کے کتنے ہی مختلف النوع گوشے ہیں۔ جہاں انہوں نے اپنی سیرت کے غیر فانی نقوش چھوڑے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ملتِ اسلامیہ کو فتنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ سازشوں کا ہر طرف جال بچھا ہوا تھا۔ باغی آمادہ پیکار گھوم رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے تمام حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور ملت کو انتشار اور ابتری سے بچانے کے لئے نہ صرف ہر صعوبت اور اذیت کو برداشت کیا۔ بلکہ بخوشی اپنا سر دے دیا۔ باغیوں کا مقابلہ نہ کرنے کا فیصلہ عدم استطاعت کی بناء پر نہ تھا، بلکہ ملت کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر تھا۔

اس پر سیر حاصل کلام اور معترضین کے جوابات کے لئے علماء ربانیین نے کتب تحریر فرمائیں ہیں۔

نام ونسب اور خاندان:

عثمان نام، ابوعبداللہ اور ابوعمرو کنیت، والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا، قریش کی شاخ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مجد و شرف اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بنو ہاشم کے بعد انہیں کا مرتبہ تھا۔ حرب فجار (یہ جنگ

قریش اور قیس کے درمیان ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں کے فوجی دستے الگ الگ تھے۔ آل ہاشم کا فوجی دستہ زبیر بن عبدالمطلب کے کمانڈ میں تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دستے میں شامل تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا اور آخر کار صلح پر خاتمہ ہو گیا) میں جو شخص سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا وہ اسی خاندان کا ایک نامور سردار حرب بن امیہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کا سلسلہ نسب والد اور والدہ دونوں کے طرف سے پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے پھر اس پر مزید یہ کہ حضرت عثمانؓ کی نانی ام حکیم (یاحکم) بیضاء بنت عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

حضرت عثمانؓ ہجرت مدینہ سے ۴۷ برس قبل بمطابق ۵۷۷ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ مکہ کے ان چند اور نمایاں لوگوں میں تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

قریش کا عام پیشہ تجارت تھا۔ اس میں انہوں نے بڑی ناموری حاصل کی تھی۔ قرآنِ مجید کی سورۂ ایلاف میں گرمی اور سردی کے موسم میں قریش کے تجارتی قافلوں کا ذکر ہے، قریش کے اسی عام مذاق کے باعث حضرت عثمانؓ نے بھی تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا اور ایک شیخ ربیعہ بن حارث کی شرکت میں کپڑے کا کاروبار بہت بڑے پیمانہ پر شروع کر دیا۔ اس میں انہوں نے وہ کامیابی اور شہرت حاصل کی کہ ان کا لقب ہی عثمان غنی ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ فطرتاً بڑے حلیم، سخی اور اعلیٰ اخلاق و فضائل کے انسان

تھے۔اسی بناء پر قریش میں نہایت معزز و محترم تھے۔اور قریش ان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ وہ ضرب المثل بن گئی تھی۔ چنانچہ عرب کہا کرتے تھے: ''احبک والرحمن حب قریش عثمان'' ترجمہ: بخدا میں تجھ سے ایسی محبت کرتا ہوں جیسی محبت قریش عثمان سے کرتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ فطرتاً بڑے نیک، راست باز اور ایمان دار تھے۔شراب عرب کی گھٹی میں پڑی تھی، جو لوگ پیتے تھے فخر کرتے اور نہ پینے والے کو طعن کرتے کیونکہ ان کے نزدیک شراب نہ پینا بخل کی علامت تھا۔

لیکن اس ماحول میں دولت و ثروت کے ساتھ رہنے کے باوجود آپ ان چند اکابر قریش (مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ) میں سے تھے جو سلیم الفطرت ہونے کے باعث شراب سے نفرت کرتے تھے۔اسی طرح گانا بجانا، لہو ولعب اور زنا کاری عرب کے پسندیدہ مشاغل میں تھے۔لیکن حضرت عثمانؓ ان سب چیزوں سے بھی طبعاً مجتنب تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: میں نے عہد جاہلیت میں یا اسلام میں نہ کبھی زنا کیا ہے نہ شراب پی ہے اور نہ گانا بجایا ہے۔

طبیعت کی اس نیکی اور حق پرستی کے باعث مکہ مکرمہ میں پہلے پہل جب اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔اور یہ صدائے روح نواز فردوس گوش ہوئی تو آپ فوراً مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

خود ان کے بیان کے مطابق اسلام قبول کرنے والے مردوں میں ان کا نمبر چوتھا تھا۔

بڑے پیمانہ پر تجارت کے باعث دولت مند شروع سے ہی تھے۔اس

لئے واما بنعمة ربک فحدث کے حکم کے مطابق اللہ کی نعمتوں سے استفادہ آپ کی طبیعت کا شیوہ تھا۔ چنانچہ لباس بھی عمدہ قسم کا استعمال کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یمنی چادریں بہت وقیع اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ آپ انہیں اوڑھتے تھے۔ عموماً یہ چادرین زرد رنگ کی ہوتی تھیں۔ اور ان کی قیمت سو درہم کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ آپ اپنے لباس میں بھی سنت کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آدھی پنڈلی تک لنگی باندھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی ایسی ہوا کرتی تھی۔

اسلام نے اس فطرت کو چمکا کر مجلّٰی اور مصفّٰی کر دیا تھا۔ اس بناء پر دینی عزت نفس اور خودداری آپ میں حد درجہ کی تھی کہ نازک سے نازک موقع پر بھی آپ میں لچک پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ مبادا وہ وقت آجائے کہ تمہارے بروں کو تم پر مسلط کر دیا جائے۔ اور ان بروں کے خلاف نیک لوگ بد دعا کریں اور وہ قبول نہ کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کی تشکیل اور کردار کی تعمیر اس حد تک کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے گئے۔ آپ کی خصلات انبیاء علیہم السلام کے طرز پر تھیں۔ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان سب صحابہ سے خلق میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں۔

اگر اسلام میں ہر فعل جو احکام خداوندی کے ماتحت ہو اور جس کا مقصد

حصول رضائے الٰہی ہو دینی اور مذہبی فعل ہے اور اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تمام کارنامے دینی کارنامے ہیں۔ تاہم سب سے بڑا اور نہایت عظیم الشان دینی کارنامہ مصحفِ عثمانی کی ترتیب و تدوین ہے۔ یہی وہ کارنامہ ہے جس کے باعث قرآن جیسا نازل ہوا تھا ویسا ہی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تحریر و انشاء میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ کی تحریریں خطوط کی شکل میں حدیث و تاریخ اور ادب کی کتابوں میں محفوظ ہیں (جو کہ اب اردو میں ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط'' مصنفہ پروفیسر خورشید احمد صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں) ان پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ کلام ما قل و دل کا مصداق ہوتا ہے۔ الفاظ مرصع اور جملے کے جملے فصاحت و بلاغت کی جان اور نہایت موثر و دلنشین ہوتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت علی منہاج النبوت پر قائم و دائم رکھی۔ مجلس شوریٰ بالکل اسی طرح برقرار رکھی جس طرح آپ سے پیشتر خلفاء کے دور میں تھی۔

اہم امور میں آپ تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم، مشیران خلافت اور ضرورت پڑنے پر امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے بھی مشورہ لیتے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے تو مشرق و مغرب کی انتہاء تک خدا کا دین پھیل جاتا ہے۔ خدائی لشکر ایک طرف اقصیٰ مشرق تک اور دوسری طرف انتہاء

مغرب تک پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ اور مجاہدین کی آبدار تلواریں خدا کی توحید کو دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچا دیتی ہیں۔ اندلس، قیروان، سیقہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

دوسری طرف مدائن، عراق، خراسان، اہواز سب فتح ہوئے۔ ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی۔ آخران کا بڑا بادشاہ خاقان خاک میں مل کر ذلیل وخوار ہوا۔ اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں نے اپنے خراج بارگاہ خلافت عثمان میں پہنچوائے۔ آپ کے زمانے کو دیکھئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو دیکھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی ہے یہاں تک کہ میں نے مشرق ومغرب کو دیکھ لیا۔ عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اس وقت مجھے دکھائی گئی ہے۔

کتابت وحی:

چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لہٰذا اسلام لانے کے بعد آپ کو کتابت وحی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے خود عثمان رضی اللہ عنہ کو اس گھر میں دیکھا ہے کہ رات کے وقت گرمی کے موسم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسب معمول گرانی محسوس کر رہے ہیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وحی لکھ رہے ہیں۔ اپنا یہ مشاہدہ بیان کرنے کے بعد ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ قرب واختصاص کا شرف اللہ تعالیٰ اسی

شخص کو عطا فرما سکتا ہے جو اعلیٰ اخلاق وصفات کا انسان ہو۔

یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ حضرات صحابہ کرام سے بدگمانی رکھنا، ان کو برا کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت اور شریعت الٰہیہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے اور ایسے شخص کے کفر کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ جو بد باطن شخص خلیفہ راشد اور داماد رسول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں زبان طعن دراز کرے وہ اس وعید کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہوگا۔

طبیعت کا سخت ونرم ہونا ایک فطری، طبعی اور غیر اختیاری امر ہے اس بنا پر کسی کو بھی مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ چنانچہ ذیل کے چند واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے امور سلطنت میں قطعاً کسی نرمی، تساہل اور جانب داری سے کام نہیں لیا، جو لوگ آپ رضی اللہ عنہ پر کیچڑ اچھال کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں وہ ان واقعات کو عبرت کی نگاہ سے پڑھیں، اور انصاف کی نظر سے فیصلہ کریں۔

(۱) امارت سے استغناء

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس دن (سفر سے) تشریف لائے جس دن حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تھی، اس موقع پر لوگوں نے کہا کہ تم بھی بیعت کر لو، تو وہ پوچھنے لگے کہ تمام اہل قریش نے ان کی حمایت کی ہے؟ وہ بولے ہاں اس کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا تمہیں اس معاملہ کا اختیار ہے اگر تم انکار کرو گے تو میں اس معاملہ کو لوٹا دوں گا۔

وہ بولے کیا آپ لوٹا دیں گے؟ آپؓ نے فرمایا ہاں پھر پوچھا کہ کیا تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس پر وہ بولے میں بھی بیعت کرنے پر رضا مند ہوں اور میں لوگوں کے متفقہ فیصلہ سے الگ رہنا نہیں چاہتا، یہ کہہ کر انہوں نے بیعت کرلی۔ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۴۵)

(۲) دوسروں سے نصیحت چاہنا

حمران بن ابان روایت کرتے ہیں کہ خلافت کی بیعت کے بعد امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے مجھے حضرت عباسؓ کی طرف بھیجا کہ انہیں بلا کر لاؤں، جب وہ تشریف لائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا مجھے آپ کی نصیحت کی آج سخت ضرورت ہے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا: آپ مندرجہ ذیل پانچ باتوں پر سختی کے ساتھ عمل کریں تو قوم آپ کی کبھی مخالفت نہیں کرے گی، آپؓ نے فرمایا وہ کیا ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا: نمبر (۱) قتل سے صبر کرنا، (۲) لوگوں سے محبت کرنا، (۳) لوگوں سے درگزر کا معاملہ کرنا (۴) نرمی اختیار کرنا (۵) راز کو پوشیدہ رکھنا۔ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۴۰۸)

(۳) تجدید کعبہ کے لئے سختی کرنا

سنہ ۲۶ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے حرم کعبہ کی تجدید اور توسیع کا حکم دیا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک جماعت سے کچھ زمین خریدی، جب کہ کچھ لوگوں نے اپنی زمینیں فروخت کرنے سے انکار کیا تو آپؓ نے ان کی عمارتیں گرا

دیں اوران کی قیمتیں بیت المال میں جمع کرادیں، بعد میں ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس آکر چیخ وپکار کی تو آپ نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو میری شرافت اور میرے حلم کی وجہ سے مجھ پر چلانے کی جسارت ہوئی ہے، جبکہ تمہارے ساتھ حضرت عمرؓ نے اس قسم کی کاروائی کی تو تم ان پر نہیں چلاتے تھے، آخرکار عبداللہ بن خالد بن اسید کی سفارش پر انہیں رہا کردیا گیا۔
(تاریخ طبری ج ۳/ص ۲۵۸)

(۴) برائی کا قلع قمع کرنا

حکیم بن عباد روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جب دنیاوی خوشحالی آئی اورلوگوں کے پاس دولت کی فراوانی ہوئی تو دولت مندی انتہاء تک پہونچی تو وہاں سب سے پہلے جو برائی رونما ہوئی تو وہ کبوتروں کو اڑانا اور مختلف چیزوں کی نشانہ بازی تھی، حضرت عثمانؓ نے لوگوں کی اس بے راہ روی کو روکنے کی خاطر اپنی خلافت کے آٹھویں سال قبیلہ لیث کے ایک شخص کو مقرر کیا کہ وہ ان کبوتروں کے پر کاٹے اورنشانہ بازی کے مراکز کو ختم کرے۔ (تاریخ طبری ج ۳/ص ۴۰۶)

(۵) اعمال سحر پر گرفت

محمد اور طلحہ کی روایت ہے کہ ابن ذی الحبکہ نہدی نیرنج جادو کا کام کیا کرتا تھا، جب حضرت عثمانؓ کو اس کے اس کام کے بارے میں اطلاع ہوئی تو آپ نے ولید بن عقبہ کو لکھا کہ اس بارے میں ابن ذی الحبکہ سے پوچھا جائے اگر وہ

اقرار کرے تو اسے سخت سزا دی جائے، چنانچہ ولید بن عقبہ نے انہیں بلوایا اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا ہاں یہ عجیب وغریب شعبدہ بازی کا کام ہے اور اقرار کیا تو ولید بن عقبہ نے انہیں سزا دینے کا حکم دیا اور عوام کو بھی اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کے خط کو پڑھ کر سنایا گیا کہ "یہ معاملہ نہایت سنجیدہ اور سنگین ہے اس لئے تم لوگ بھی سنجیدگی اختیار کرو اور ہنسی مذاق اور دل لگی سے بچو، لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ تک اس کی اطلاع کیسے پہونچی؟ (تاریخ طبری ج ۳/ص ۴۱۰)

(۶) اہل بیت کی تعظیم اور ان سے محبت

حضرت قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں حضرت عثمانؓ نے جو بہت سے نئے قانون بنائے ان میں سے ایک قانون یہ تھا کہ ایک آدمی نے ایک جھگڑے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حقارت آمیز معاملہ کیا۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے اس کی پٹائی کرادی۔ کسی نے اس پر اعتراض کیا تو اس سے فرمایا کیا یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم فرمائیں اور میں ان کی تحقیر کی اجازت دے دوں؟ اس آدمی کی اس گستاخی کو جو اچھا سمجھ رہا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے اس نئے قانون کو تمام صحابہؓ نے بہت پسند کیا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے گستاخ کی پٹائی ہوگی)۔

(حیاۃ الصحابہ ج ۲/ص ۱۷۵ بحوالہ منتخب الکنز ج ۵/ص ۲۱۳)

(۷) صحیح مسئلہ بتانے کا اہتمام

حضرت سعید بن سفیان قاریؒ کہتے ہیں میرے بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس نے وصیت کی سو دینار اللہ کے راستہ میں خرچ کئے جائیں۔ میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے میں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! میرے، بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس نے وصیت کی کہ اللہ کے راستہ میں سو دینار خرچ کئے جائیں۔ آپ ارشاد فرمائیں کہ میں اس کی وصیت کس طرح پوری کروں؟

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کیا تم نے مجھ سے پہلے کسی اور سے یہ بات پوچھی ہے؟ میں نے کہا نہیں تو انہوں نے فرمایا اگر تم مجھ سے پہلے کسی اور سے یہ پوچھتے اور وہ یہ جواب نہ دیتا جو میں دینے لگا ہوں تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا (کہ تم نے اس جاہل سے کیوں پوچھا؟) اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کا حکم دیا تو ہم سب اسلام لے آئے اور (اللہ کا شکر ہے کہ) ہم سب مسلمان ہیں۔

پھر اللہ نے ہمیں ہجرت کا حکم دیا تو ہم نے ہجرت کی چنانچہ ہم اہل مدینہ مہاجر ہیں۔ پھر اللہ نے ہمیں جہاد کا حکم دیا تو (اس زمانے میں) تم نے جہاد کیا تو تم اہل شام مجاہد ہو۔ تم یہ سو دینار اپنے اوپر اپنے گھر والوں پر اور آس پاس کے ضرورت مندوں پر خرچ کر لو۔ کیوں کہ اگر تم ایک درہم لے کر گھر سے نکلو اور پھر اس کا گوشت خریدو اور پھر اسے تم بھی کھا لو اور تمہارے گھر والے بھی کھا لیں تو تمہارے لئے سات سو درہم کا ثواب لکھا جائے گا۔ (ضرورت کے وقت گھر

والوں پر خرچ کرنے پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے اسراف پر پکڑ ہوگی۔)
(حیاۃ الصحابہ ج ۲ /ص ۲۴ ۴ بحوالہ ابن عساکر ج ۱ /ص ۵۳)

(۸) عام مسلمانوں کی رائے کا خیال رکھنا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرحؓ سے وعدہ کیا کہ افریقہ کی فتح کے صلہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا۔ اس لئے (فتح کے بعد) حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لے لیا لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ سے اس رقم کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ میں نے بے شک وعدہ کیا تھا، لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ (اس لئے مجبوری ہے)
(خلفائے راشدین ص ۱۸۸ بحوالہ طبری ص ۸۱۵)

(۹) خیانت پر داماد کو معزول کرنا

حضرت عثمانؓ نے اپنے چچازاد بھائی اور داماد کو محتسب مقرر کیا تھا۔ یعنی ان کا کام یہ تھا کہ بازار میں اشیائے خرید و فروخت ان کی قیمتوں اور دکان داروں کے باٹوں، پیمانوں اور سکوں کی نگرانی رکھیں تاکہ بائع (بیچنے والے) اور مشتری (خریدار) کسی کو شکایت کا موقع نہ ہو۔

لیکن اس رشتہ داری اور قرابت کے باوجود جب حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا

کہ وہ اپنے فرائض منصبی امانت داری سے ادا نہیں کر رہے ہیں۔ اور اپنے عہدہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بازار کی بعض اشیاء انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر لی ہیں۔ تو حضرت عثمانؓ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فوراً معزول کر دیا:۔

(حضرت عثمانؓ ذوالنورین ص ۱۳۵، بحوالہ تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۲۶۸)

(۱۰) منصب کے لئے اہلیت واستعداد پرکھنا

حضرت ابو حذیفہؓ قریش کے عالی نسب سرداروں میں سے تھے، سابقین اولین کے زمرہ مقدسہ میں شامل ہیں، محمد بن ابی حذیفہ اس عظیم باپ کا بیٹا تھا، ابھی نوعمر ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ اسے منہ بولا بیٹا بنا کر اس کے کفیل اور مربی ہو گئے، جب آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اسے کسی منصب اور عہدہ کی توقع تھی، لیکن یہ نوجوان جیسا کہ راویوں کا بیان ہے کہ دیانت داری پر مکمل کاربند نہ تھا، ایک روز اس نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ اسے کسی منصب پر متعین کیا جائے۔ حضرت عثمان نے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے تم میں اہلیت نظر آتی تو کہیں حاکم مقرر کر دیتا لیکن تم اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ جس پر یہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ (اور اس نے ان کے خلاف شورش کی اور حضرت ابو بکرؓ کے چھوٹے بیٹے محمد بن ابی بکر وغیرہ کو بھڑکایا)

(حضرت عثمان خلیفہ مظلوم ص ۱۲۸)

سوال (۱۱)

کیا آن لائن نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ جس کی صورت یہ ہے کہ مسجد کے پاس پڑوس کے لوگ آن لائن (موبائل پر انٹرنیٹ کی موجودگی کے ساتھ بذریعہ ایپلی کیشن) کسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ایسا کہنے اور اس کی دعوت دینے والے شخص کے بارے میں کیا حکم لگے گا۔ کیا اس کا یہ عمل تجدد فی الدین شمار کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں تشفی بخش جواب دے کر شاکر و ممنون فرمائیں

جواب (۱۱)

واضح ہو کہ دینی عبادات کی صحت کے لئے شرعاً کچھ شرائط لازمی ہوتی ہیں، جن کا عبادات میں لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، نماز با جماعت کے بھی کچھ شرائط مقرر ہیں، ان میں سے چند شرائط درج ذیل ہیں:

(۱) مقتدی کی جگہ امام کی جگہ سے مختلف نہ ہو بلکہ دونوں کا مکان متحد ہو۔

(۲) مقتدی اور امام ایک ہی وقت کی نماز پڑھ رہے ہوں۔

(۳) امام کے کھڑے ہونے کی جگہ مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے آگے ہو۔

(۴) بعض ائمہ کے نزدیک مقتدی کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ امام نے مقتدی کی نماز کی نیت بھی کی ہو۔

•••••••••••••••••••••••••••••••••••••

(۵) نماز با جماعت کا طریقہ تواتر کے ساتھ یہ چلا آ رہا ہے کہ نمازیوں کی صفیں متصل اور ملی ہوئی ہوں، الگ الگ اور منتشر نہ ہوں۔

مشہور شامی فقیہ علامہ ابن عابدینؒ نے اقتداء کے صحیح ہونے کی دس شرطیں بیان کی ہیں۔

(۱) مقتدی امام کی نیت کرے کہ اس امام کے پیچھے یہ نماز پڑھ رہا ہوں۔

(۲) دونوں کی نماز ایک ہو۔

(۳) مکان متحد ہو۔

(۴) امام کی نماز صحیح ہو۔

(۵) عورت، مرد کے محاذات میں نہ ہو۔

(۶) مقتدی امام سے آگے نہ ہو۔

(۷) مقتدی کو امام کی حرکات وسکنات کا علم ہو۔

(۸) مقتدی کو امام کے مسافر یا مقیم ہونے کا علم ہو۔

(۹) مقتدی امام کے ارکان میں شریک ہو۔

(۱۰) مقتدی امام کے برابر ہو یا اس سے کم تر ہو، لہٰذا اگر تن درست آدمی معذور کی اقتداء کرے یا رکوع وسجدہ کرنے والا اگر اشارہ سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرے تو نماز درست نہ ہوگی۔

ان شرائط میں ایک شرط اتحاد مکان کی بھی ہے اور مسلک احناف کے مطابق اتحاد مکان کی تفصیل میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ملتی ہے کہ امام اور مقتدی کے مکان کا مختلف ہونا مفسد نماز ہے۔

•••••••••••••••••••••••••••••••••••••••

اس بنیاد پر اگر امام اور مقتدی کے درمیان میں کوئی ایسا راستہ ہو جس میں لوگ گزرتے ہوں یا نہر ہو جس میں کشتی چلتی ہو یا بہت بڑی مسجد ہو اس میں دو صف کا انقطاع ہو تو ان تمام صورتوں میں اقتداء درست نہ ہوگی۔

اور مسجد میں اقتداء کرتے ہوئے اگر دیوار وغیرہ حائل ہو اور امام کے انتقالات کا علم ہو رہا ہو تو اقتداء درست ہے اس لئے کہ مسجد مکان واحد کے حکم میں ہے لیکن اگر امام کی حالت مشتبہ ہو جائے تو پھر اقتداء درست نہ ہوگی، اس طرح اگر کوئی شخص اپنے گھر سے امام کی اقتداء کرنے اور اس کے گھر اور مسجد کے درمیان راستہ وغیرہ کا فاصلہ ہو تو بھی اقتداء درست نہ ہوگی، کیوں کہ یہاں مکان متحد نہیں ہے بلکہ مختلف ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ مذکورہ آن لائن نماز پڑھانے کی صورت شرعی طور پر قطعاً غلط ہے کیوں کہ اقتداء کی اہم اور بنیادی شرط اتحاد مکان نہیں پائی جارہی ہے۔

مسجد اور گھر کے درمیان اگر دو صفوں کا فاصلہ ہو یا کوئی عام راستہ ہو تو اس صورت میں بھی اقتداء درست نہیں ہوگی۔ دیکھا گیا ہے کہ گھر اور مسجد میں عموماً اتنا فاصلہ ہوتا ہی ہے اس لئے آن لائن لائیو یا مائک کی آواز کے ذریعہ گھروں میں رہ کر مسجد کے امام کی اقتداء کرنا درست نہیں ہوگا۔

ویسے بھی اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ لائٹ وغیرہ چلے جانے سے مسجد کا مائک کام کرنا بند کردے یا اسی طرح کی کوئی اور خرابی پیش آجائے یا انٹرنیٹ کنکشن آگے پیچھے ہو جائے تو ان صورتوں میں امام اور مقتدیوں کے درمیان رابطہ منقطع ہو جائے گا۔ المختصر یہ کہ یہ شخص متجدد فی الدین اور ماڈرن قسم کا غیر مقلد ہے۔

(والحائل لا يمنع)الاقتداء (ان لم يشتبه حال امامه) بسماع اورؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح (ولم يختلف المكان) حقيقة كمسجد و بيت في الأصح قنية، و لا حكماً عند اتصال الصفوف، ولو اقتدىٰ من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان درر وبحر وغيرهما، وأقره المصنف لكن تعقبه في الشرنبلالية ونقل عن البرهان وغيره أن الصحيح اعتبار الاشتباه فقط قلت وفي الاشتباه و زواهر الجواهر و مفتاح السعادة أنه الأصح وفي النهر عن الزاد أنه اختيار جماعة من المتأخرين

(قوله، ولم يختلف المكان) أي مكان المقتدي والامام وحاصله أنه اشترط عدم الاشتباه وعدم اختلاف المكان، ومفهومه أنه لو وجد كل من الاشتباه والاختلاف أو أحدهما فقط منع الاقتداء، لكن المنع باختلاف المكان فقط فيه كلام يأتي۔

(قوله، كمسجد وبيت)فان المسجد مكان واحد، ولذا لم يعتبر فيه الفصل بالخلاء الا اذا كان المسجد كبيراً جداً و كذا البيت حكمه حكم المسجد في ذلك لا حكم الصحراء كما قدمناه عن القهستاني. وفي التتارخانية عن المحيط: ذكر السرخسي إذا لم يكن على الحائط العريض باب ولا ثقب؛ ففي رواية يمنع لاشتباه حال الإمام، وفي رواية لا يمنع وعليه عمل الناس بمكة، فإن الإمام يقف في مقام إبراهيم، وبعض الناس وراء الكعبة من الجانب الآخر وبينهم وبين الإمام الكعبة ولم يمنعهم

أحد من ذلک

البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

وينبغي للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا بين مناكبهم في الصفوف، ولا بأس أن يأمرهم الإمام بذلک، وينبغي أن يكملوا ما يلي الإمام من الصفوف، ثم ما يلي ما يليه، وهلمّ جرًّا، وإذا استوى جانبا الإمام فإنه يقوم الجائي عن يمينه، وإن ترجح اليمين فإنه يقوم عن يساره، وإن وجد في الصف فرجه سدّها، وإلا فينتظر حتى يجيء آخر كما قدمناه، وفي فتح القدير: وروى أبو داود والإمام أحمد عن ابن عمر أنه قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيديكم (بأيدي) إخوانكم لاتذروا فرجات للشيطان، من وصل صفًا وصله الله، ومن قطع صفًّا قطعه الله. وروى البزار بإسناد حسن عنه من سدّ فرجةً في الصفّ غفر له. وفي أبي داود عنه: قال: خياركم ألينكم مناكب في الصلاة". (ج۱/ص ۳۷۵)

وفيه ايضا: وذكر الإسبيجابي أنه لو كان معه رجلان فإمامهم بالخيار إن شاء تقدم، وإن شاء أقام فيما بينهما، ولو كانوا جماعةً فينبغي للإمام أن يتقدم، ولو لم يتقدم إلا أنه أقام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف فإنه يجوز ويكره. (ج۱/ص ۳۷۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اللھم سلمنی و سلمہ منی

اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ

و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و اتباعہ

و احبائہ و اصدقائہ و اھل بیتہ اجمعین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

عطاء الرحمن عفا اللہ عنہ

استاذ مدرسہ دار العلوم شاہی جامع مسجد شہر میرٹھ

۳/ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

۲۱/اکتوبر ۲۰۲۰ء بروز چہارشنبہ

”ھذہ الاجوبۃ احد عشر کوکبا“

الجواب صحیح و المجیب نجیح

مجد القدوس خبیب رومی عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور،

۲۵/ربیع اول ۱۴۴۲ھ

●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●●

علامہ سلمان حسینی کے گمراہ کن نظریات کا مختصر خلاصہ

جوان کی کتب اور تقریروں سے ظاہر و باہر ہے، درج ذیل ہے:

نظریہ (۱) خلافت ہتھیانے کے چکر میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آخری وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھل کر مخالفت کی۔

ملخصاً (علماء اہل سنت سے چند سوالات: صفحہ ۱۱)

نظریہ (۲) ثقیفہ بنو ساعدہ کے وقت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کو دھوکا دیا اور انہیں بتائے بغیر ہی خود جا کر خلافت کی بیعت کر لی۔ ملخصاً (علماء اہل سنت سے چند سوالات: صفحہ ۱۲)

نظریہ (۳) تمام صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت (وصیت خلافت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے موقع پر فرمائی تھی، کما زعم سلمان) کو ٹھکرا دیا۔

ملخصاً (علماء اہل سنت سے چند سوالات: صفحہ ۱۰)

نظریہ (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے حق دار حضرت ابو بکر و عمر نہیں، حضرت علی تھے۔ ملخصا (علماء اہل سنت سے چند سوالات: صفحہ ۱۰-۱۲)

نظریہ (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابو بکر و عمر نہیں، حضرت علی تھے۔ ملخصا (تہذیب علوم الحدیث: صفحہ ۲۸۲)

نظریہ (۶) حضرت علی رضی اللہ کے خلاف خروج کرنے والے تمام صحابہ فاسق اور مردود الروایہ والشہادہ ہیں۔ ملخصاً (لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں: صفحہ ۱۸)

نظریہ (۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف قتال کرنے والے تمام

صحابہ باغی، طاغی، عاصی، مجرم، قاتل، ظالم اور فاسق ہیں۔(متعدد تقریروں میں یہ بات ریکارڈ ہے)

نظریہ (۸) چند سابقین اولین اور چند خواص صحابہ کے علاوہ باقی سارے صحابہ مشکوک منافق تھے۔ ملخصاً (اللہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے: صفحہ:۳۱۔۵۰)

نظریہ (۹) صحابہ کی بہت بڑی تعداد کافر و مرتد اور بڑے بڑے جرائم کی مرتکب تھی۔ ملخصاً (تہذیب علوم الحدیث: صفحہ:۲۶۹)

نظریہ (۱۰) ہر صحابی کی عدالت اسی طرح چیک کی جائے گی جس طرح بعد کے لوگوں کی کی جاتی ہے۔

ملخصاً۔(لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں: صفحہ:۱۷۔۱۸)

نظریہ (۱۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اصطلاحی صحابی ہیں، اصلی صحابی نہیں۔ ملخصاً۔(لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں: صفحہ:۱۰)

نظریہ (۱۲) حدیث ''لاتسبوا أصحابی'' سے نادان اور کم علم لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جس نے بھی ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلیا اسے برا کہنا منع ہے، حالاں کہ اس ممانعت میں صحابہ کی کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری حدیث ''سباب المسلم فسوق'' میں کسی بھی عام مسلمان کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور آیت قرآنی ولاتسبو الذین یدعون من دون اللہ (سورۂ انعام، آیت:۱۰۸) میں مشرکین کے دیوی دیوتاؤں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ ملخصاً (لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں: صفحہ ۱۰)

(اللہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے: صفحہ:۵۷)

نظـــریہ (۱۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خاندانی لحاظ میں ایک ایسے آدمی کو کوفہ کا گورنر بنادیا جو کھلے عام شراب پیتا تھا اور فجر کی نماز دو رکعت کے بجائے چار پڑھا دیتا تھا۔ ملخصاً (اللہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے: صفحہ: ۸۰)

نظـــریہ (۱۴) اہل بیت سے مراد صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔

ملخصاً (اللہ کے بے لاگ قوانین اور فیصلے: صفحہ: ۸۳)

نظـــریہ (۱۵) صرف ان صحابہ کی اقتدا کی جائے گی جو سنہ ۳۳ھ سے پہلے وفات پاگئے، اس کے بعد وفات پانے والے صحابہ کی اقتدا نہیں کی جائے گی، کیوں کہ فتنوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

(خلاصہ بیان: ۳ ربیع الاوّل ۱۴۴۱ھ)

نظـــریہ (۱۶) قرآن میں تیس پارے اور ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں والی بات کسی دلیل سے ثابت نہیں، بعد کے دور میں گھڑ لی گئی جو بالکل غلط ہے۔

ملخصاً (لفظ صحابہ کے بارے میں غلط فہمیاں: صفحہ: ۱۲)

نظـــریہ (۱۷) عدالت صحابہ سے مراد فقط یہ ہے کہ جس طرح کتب صحاح میں بدعتی، شیعہ، مرجیہ اور خوارج راویوں کی روایتیں قبول کر لی گئی ہیں اسی طرح صحابہ کی روایتیں بھی قبول کر لی جائیں۔ ملخصاً (تہذیب علوم الحدیث: صفحہ: ۲۷۶)

نظـــریہ (۱۸) جنگ جمل اور صفّین میں جتنے بھی صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل آئے سب کے ناصبی، ضلال، باطل، گمراہ اور ساقط العدالت تھے، سوائے حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر کے کہ ان تینوں نے توبہ کر لی تھی۔

ملخصاً۔ (تہذیب علوم الحدیث: صفحہ: ۲۷۱)

نظـــریہ(۱۹) صحابہ کی بہت بڑی تعداد کو قیامت کے دن فرشتے حوضِ کوثر سے دھکے مار کر ہٹادیں گے۔

ملخصاً۔(اللہ کے بےلاگ قوانین اور فیصلے:صفحہ:٦٧)(تہذیب علوم الحدیث:صفحہ:۲٦۹)

علاوہ ازیں مولانا سلمان ندوی کی تحریروں وتقریروں میں درج ذیل متنازع امور بھی ملتے ہیں

بعض جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں برملا رکیک اور جارحانہ تبصرے کئے، ان کو عاصی، باغی، خاطی، مجرم، حکومت کا حریص اور ظالم تک کہہ دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر الزام لگایا کہ انہوں نے (نعوذ باللہ) حدیثوں کا ایک ذخیرہ گول کردیا تھا، اور اس پر نہایت سخت لہجہ میں تبصرہ کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سوالیہ نشان کھڑے کئے۔

صحابی کی تعریف ومصداق میں جمہور کی رائے کو چھوڑ کر ایک الگ راہ اختیار کرلی، اور صحابی کی معروف تعریف کو اہل سنت کا غلو اور دین میں تحریف قرار دیا۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ منافق بھی صحابہ تھے، صحابہ میں ہر قسم کے اچھے برے لوگ تھے۔

امت کی اجتماعی موقف ''الصحابة کلهم عدول'' سے شدید اختلاف کرتے ہیں، اور صحابہ کو جرح تعدیل سے ماوراء قرار نہیں دیتے۔

شانِ صحابہؓ

از شاعر اسلام، صاحب اخلاص وحمیت جناب صوفی عبدالرب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

خدانے جب محبت سے محمدؐ کی ثنا کی ہے
کریں نعت نبیؐ ہم بھی کہ یہ مرضی خدا کی ہے

جگر پارہ ہے یا قرآن کا چھبیس واں پارہ
کہ خود نام نبیؐ پر نام سورۃ کی بنا کی ہے

انوکھی شان والی سورۂ انا فتحنا ہے
حقیقت میں خدانے یہ بڑی دولت عطا کی ہے

کہیں انعام کا وعدہ، کہیں اظہار کا مژدہ
ثنائے عاشقانِ مصطفےٰؐ پر انتہا کی ہے

بڑی تقدیر والے ہیں نبیؐ کے چاہنے والے
بڑے نازک زمانے میں محمدؐ سے وفا کی ہے

عجب انداز سے شانِ نبیؐ کا ذکر فرمایا
غلاموں کی ثنا بھی خود ثنا خیرالوریٰ کی ہے

خدائے پاک کا پیارا نبیؐ خود کیا سے کیا ہوگا
کہ جب تاثیر صحبت نے کرامت کیا سے کیا کی ہے

محمد تو نبیؐ ہیں ہی مگر جو ان کے ساتھی ہیں
روش ان کے غلاموں کی بڑی پیاری ادا کی ہے

اگر اپنوں میں مل بیٹھیں نہایت بھولے بھالے ہیں
جو بپھریں غیر سے، شدت عیاں قہر خدا کی ہے

کبھی سجدوں میں گرتے ہیں کبھی خم ہیں رکوعوں میں
تلاش فضل رب ہے جستجو اس کی رضا کی ہے

ذرا دیکھو تو پیشانی پہ تابندہ نشانی ہے
علامت پاک چہروں سے سجود کبریا کی ہے

یہی وہ ہیں کہ جن کا تذکرہ توریت میں آیا
یہی وہ ہیں کہ خود انجیل نے جن کی ثناء کی ہے

وہی کھیتی یہ ہے کمزور تر تھیں سوئیاں جس کی
مگر اب اس میں شادابی بہار جاں فزاں کی ہے

کسان اس لہلاتے کھیت کے سرکار بطحاؐ ہیں
مسرت سے جب حالت حبیب کبریا کی ہے

جو کافر ہیں وہی جل بھن کے پیچ وتاب کھاتے ہیں
کوئی خوش ہو کوئی روئے یہی مرضی خدا کی ہے

جو اعدائے صحابہؓ ہیں بنی ہے خوب گت ان کی
کہ ان کی زندگی ہی ماتم وآہ بکا کی ہے

انہیں کو حکم ہے اللہ کا وابکوا کثیراً کا
جو ہے ان کے عمل کا حال وہ حالت جزاء کی ہے

محمد کے وفاداروں سے وعدہ مغفرت کا ہے
بشارت بھی انہیں اجراً عظیماً کی عطا کی ہے

خداوندا! قسم ہے تیرے پیغمبرؐ کی عزت کی
محبت مجھ کو اصحابِ محمد مصطفےٰؐ کی ہے

ابوبکرؓ وعمرؓ عثمانؓ وحیدرؓ کا طفیلی ہوں
محبت آل و اصحابِ پیمبرؐ سے سدا کی ہے

ثنائے عاشقان مصطفےٰ قرآن سے لے کر
محبت کی زباں سے اپنے لفظوں میں ادا کی ہے

صحابہؓ کے وفاداروں کی یارب تو مدد فرما
بڑی اخلاص مندی سے یہ صوفی نے دعا کی ہے